سلسلہ رسائل مجددی
اثبات النبوۃ
حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہ

اثبات النبوة

سلسلہ رسائل مجددی: ۱

اثبات النبوۃ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

ترجمہ

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں رحمہ اللہ

نام کتاب: اثبات النبوۃ

مؤلف: امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

ترجمہ: حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان رحمہ اللہ

اشاعت جدید: اکتوبر ۲۰۱۱ء

تعداد: ایک ہزار

صفحات: ۸۸

قیمت: ۸۰ روپے

اہتمام

ادارہ مجددیہ

ناشر

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷،۴، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی

پوسٹ کوڈ: ۷۴۶۰۰ فون: ۰۲۱_۳۶۶۸۴۷۹۰

www.rahet.org E-mail: info@rahet.org

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مقدمہ

اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ حضرت امام ربانی مجدّ دالف ثانی قدس سرہ کے نایاب رسالے اثبات النّبوۃ کو پہلی بار شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ اکبر ۹۹۴ھ سے ۱۰۰۷ھ تک لاہور میں رہا اور اس سے پہلے وہ آگرہ میں تھا۔ حضرت مجدّ دالف ثانی قدس سرہ (۹۷۱ھ ۱۰۳۴ھ) قریب ۲۰،۲۲ سال کی عمر میں آگرہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں فیضی اپنی بے نقط تفسیر سواطع الالہام لکھ رہا تھا، جس کے لئے حضرت علیہ الرحمہ نے برجستہ ایک بے نقط عبارت مرحمت فرمائی تھی۔(۱) وہ تفسیر نظر ثانی کے بعد ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔(۲) ابوالفضل اور فیضی بلکہ اُن کے باپ مُلّا مبارک ناگوری کی وجہ سے دین اور پھر ''نبوت'' پر اعتراضات ۹۸۷ھ میں شروع ہو چکے تھے اور ''بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف سے نعت خارج کر دی تھی'' (۳) ان ہی ایام میں ابوالفضل نے حضرت مجدّ دالف ثانی علیہ الرحمہ کی موجودگی میں حضرت امام غزالی

۱۔ مولانا ہاشم کشمی ۔۔ زبدۃ المقامات ۔لکھنؤ ۱۳۰۷ھ: ص ۱۳۳

۲۔ ملا عبدالقادر بدایونی ۔منتخب التواریخ ۔۲۔لکھنؤ ۱۸۸۹ء: ص ۳۸۹۔ آئندہ بھی اسی ایڈیشن کے حوالے دیئے جائیں گے۔

۳۔ بدایونی: ۳۲۵

رحمۃ اللہ علیہ کو نا معقول کہا تھا اور آپ بے تاب ہو گئے تھے۔ (۴) علمائے حق کا انخلا یا قتل ۹۹۰ھ سے شروع کر دیا گیا تھا (۵) ان ہی ''فتن ہائے امت (۹۸۷ھ) کا ذکر اس رسالۂ اثبات النبوۃ میں بھی ہے۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۹۹۰ھ کے قریب لکھا گیا ہوگا۔ (۶)

اب ذرا اُن فتنوں کا جائزہ بھی لیجئے تا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی دینی خدمات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ بدایونی نے اپنی تاریخ میں ۱۰۰۴ھ تک کے حالات لکھے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اکبر ''طالب حق'' تھا لیکن غلط قسم کے علماء اور صوفیہ سے واسطہ رہا۔ اس لئے اسے اسلام سے ضد پیدا ہوگئی تھی (۷)۔ گجرات کے صدر ابراہیم نے بادشاہ کو جو تحائف بھیجے تھے اُن میں ابن العربی علیہ الرحمہ سے منسوب ایک جعلی عبارت بھی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ''صاحب زماں'' کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور وہ ڈاڑھی منڈا ہوگا۔ (۸) کوئی خواجہ شیرازی تھے جو مکہ معظمہ سے ایک جعلی رسالہ ''مہدی'' کے ظہور سے متعلق لائے تھے، اور ایک شیعی عالم شریف آملی نے ''تحیتِ دینِ حق'' کے اعداد (۹۹۰ھ) سے اسی پیشین گوئی کی تصریح کی تھی (۹)۔ ملا مبارک ناگوری (پدرِ فیضی و ابوالفضل) اس سے پہلے ہی ایک محضر نامہ ۹۸۷ھ میں تیار کر چکے تھے جس میں اکبر کو درجۂ اجتہاد پر فائز کیا تھا اور فیضی نے فارسی اشعار میں خطبۂ جمعہ تیار کیا تھا۔ (۱۰) اور اکبر کو ''خلیفۃ الزماں'' قرار دیا تھا۔ نماز، روزہ اور شعائرِ اسلام کو ''تقلیدات''، یعنی ''عقل'' کے خلاف سمجھا گیا (۱۱) اور اس ''عقل'' نے وہ جوہر دکھائے کہ ابوالفضل کی نگرانی میں محل کے اندر عبادت کے لئے ایک آتش خانہ تیار ہوا۔ (۱۲) نصاریٰ کی طرح ناقوس، صورِ تثلیث اور ان کی تفریحیں اکبر کا

۴۔ زبدۃ المقامات: ص ۱۳۱

۵۔ بدایونی: ص ۳۲۹، ۳۴۱، ۳۶۱

۶۔ اِسی عمر میں ردِّ روافض وغیرہ رسائل بھی آپ لکھ چکے تھے۔ ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات: ص ۱۳۱

۷۔ بدایونی: ص ۳۱۸

۸۔ بدایونی: ص ۳۳۰

۹۔ بدایونی: ص ۳۳۴

۱۰۔ بدایونی: ص ۳۲۵

۱۱۔ بدایونی: ص ۲۹۷

۱۲۔ بدایونی: ص ۳۲۱

وظیفہ تھیں۔ (۱۳) راجاؤں کی لڑکیوں کو تصرف میں لانے کی وجہ سے خود اس کے مزاج پر اُن کو تصرف حاصل تھا۔ (۱۴) چنانچہ برہما، مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کی تعظیم کی جاتی۔ (۱۵) سورج کی عبادت دن میں چار مرتبہ کی جاتی، سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالا جپی جاتی، قشقہ لگایا جاتا۔ آگ، پانی، درخت اور تمام مظاہر فطرت حتیٰ کہ گائے اور اس کے گوبر کی پوجا خود بادشاہ کرتا۔ (۱۶) خنزیر کو (معاذ اللہ) خدا کے حلول کا مظہر جانتا۔ (۱۷) گائے کا گوشت حرام اور خنزیر اور شیر کا گوشت مباح قرار دیا۔ (۱۸) سود، شراب اور جُوا حلال سمجھا گیا۔ (۱۹) اور شراب فروشوں کی نسل سے ایک عورت کے زیرِ اہتمام سے ایک سرکاری شراب خانہ کھولا گیا۔ (۲۰) ڈاڑھی کی دُرگت بنائی گئی، اور درباریوں نے بڑے اہتمام سے ڈاڑھیاں مُنڈائیں۔ (۲۱) غسل جنابت فضول سمجھا گیا۔ (۲۲)۔ سولہ سال سے پہلے لڑکوں کا اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ناجائز قرار دیا گیا۔ (۲۳)۔ جوان عورتوں کو منہ کھول کر چلنے کا حکم دیا گیا اور بدکاری کے اڈے قائم کئے گئے۔ (۲۴) ختنہ کرانے کی عمر بارہ سال کے بعد رکھی گئی۔ (۲۵) مُردے کو پانی میں ڈالنے یا جلانے یا درخت سے باندھ دینے کا حکم جاری ہوا۔ (۲۶) نیز قبلے کی جانب مردے

۱۳۔ بدایونی: ص ۳۲۱

۱۴۔ بدایونی: ص ۳۴۲

۱۵۔ بدایونی: ص ۳۱۹

۱۶۔ بدایونی: ص ۳۵۳

۱۷۔ بدایونی ص ۳۴۳

۱۸۔ بدایونی: ص ۳۴۳،۳۴۲

۱۹۔ بدایونی: ص ۳۴۰

۲۰۔ بدایونی: ص ۳۴۲

۲۱۔ بدایونی: ص ۳۸۲،۳۴۲

۲۲۔ بدایونی: ص ۳۴۳

۲۳۔ بدایونی: ص ۳۴۴

۲۴۔ بدایونی: ص ۳۴۱

۲۵۔ بدایونی: ص ۳۸۰

۲۶۔ بدایونی: ص ۳۸۸

کے پاؤں رکھے جانے کا حکم ہوا اور بادشاہ بھی قبلے کی طرف پاؤں کر کے سوتا تھا۔ (۲۷) خود کو سجدہ کراتا تھا۔ (۲۸) اسلام کی ضد پر خنزیر اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ کیا تھا اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں جانور زیارت کے لئے رکھے گئے کہ ان کا دیکھنا بھی عبادت تھا۔ (۲۹) جو قصاب کسی شخص کے ساتھ کھانا کھاتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا اور اگر اس کی بیوی ساتھ کھاتی تو اس کی انگلیاں بھی تراش کی جاتیں۔ (۳۰) تناسخ پر یقین کیا گیا۔ (۳۱) عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا، اور طلائی یا ابریشمی کپڑے پہننا فرض عین قرار دیا گیا۔ (۳۲)۔ ابوالفضل کے سامنے اگر ائمہ مجتہدین کا قول پیش کیا جاتا تو وہ کہتا کہ تم فلاں حلوائی، فلاں کفش دوز اور فلاں چرم ساز کا قول پیش کرتے ہو؟ (۳۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فدک یا صفین کے قضیے کے متعلق بات ہوتی تو ایسے سخت الفاظ کہے جاتے کہ بقول بدایونی ''گوش از استماعِ آں کر ماد''۔ (۳۴) قرآن کو مخلوق، وحی کو محال، معراج اور شق القمر کو غلط کہا گیا۔ (۳۵) احمد، محمد، مصطفٰے جیسے نام تبدیل کیے جانے لگے۔ (۳۶) ہندو تو ہندو ہی تھے، ہندو مزاج مسلمان بھی حضور انور ﷺ کی نبوت کے منکر ہو گئے اور عیسائی ملعونوں نے دجال کی صفات کو ہمارے آقا ﷺ پر ڈھالنا شروع کر دیا لیکن اکبر کی پیشانی پر بل بھی نہیں پڑا۔ (۳۷) شاید تاریخ اسلام کا یہ سب سے بڑا سانحہ ہے۔ پھر ابوالفضل کا ایک بھائی جو اس کا شاگرد تھا عباداتِ اسلامی کے خلاف رسائل لکھ کر بہت مقبول و متمتع ہوا۔ (۳۸) بعض

۲۷۔ بدایونی: ص ۳۷۰
۲۸۔ بدایونی: ص ۳۲۰
۲۹۔ بدایونی: ص ۳۴۳
۳۰۔ بدایونی: ص ۳۸۰
۳۱۔ بدایونی: ص ۳۴۰
۳۲۔ بدایونی ص ۳۴۴
۳۳۔ بدایونی: ص ۲۹۲
۳۴۔ بدایونی: ص ۳۴۵
۳۵۔ بدایونی: ص ۳۴۹
۳۶۔ بدایونی: ص ۳۴۸
۳۷۔ بدایونی: ص ۳۲۱
۳۸۔ بدایونی: ص ۳۴۴

شاعروں کی طرح فیضی بھی کُتوں کی زبان اپنے منہ میں لیتا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا۔ (۳۹) غرور، تکبر اس کے مزاج میں اتنا تھا کہ صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین (رضی اللہ عنہم) پر طعن اور دین کی اہانت کرتا تھا۔ عین مستی اور جنابت کی حالت میں تفسیر سواطع الالہام لکھتا تھا، چنانچہ نزع کے وقت کُتے کی طرح بھونکتا تھا۔ (۴۰) ان خباثتوں کی وجہ سے ۶۰۵ سال میں اسلام کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ (۴۱)

ایسے حالات میں بھی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے خان خانان، صدر جہاں، خان اعظم خانِ جہاں، مہابت خان، تربیت خان، اسلام خان، دریا خان، سکندر خان، مرتضی خان جیسے امرا کو اپنے حلقۂ ارادت وعقیدت میں داخل کر کے بادشاہ کی توجہ دین کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔ بالآخر جہانگیر نہ صرف معتقد ہوا بلکہ اپنے بیٹے خرم (شاہ جہاں) کو حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت کرایا۔ سجدہ تعظیمی موقوف ہوا۔ گائے کا ذبیحہ پھر شروع ہوا۔ جو مسجدیں منہدم کرادی گئی تھیں وہ دوبارہ تعمیر ہوئیں اور جس قدر خلاف شرع، قوانین رائج تھے وہ سب منسوخ ہوئے فنِ مصوری جو عہد جہانگیری میں بامِ عروج کو پہنچا ہوا تھا وہ فنِ تعمیر اور فنِ خطاطی کی طرف منتقل ہوا۔ شاہ جہاں کے علاوہ اورنگ زیب بھی حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان کی تربیت سے مستفید ہوا اور اس کے عہد میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوئی۔ دربار میں علما اور فضلا کو جگہ ملی۔ پھر حضرت علیہ الرحمہ کے شاگردان سلسلے میں شاہ ولی اللہ

۳۹۔ بدایونی: ص ۳۴۳

۴۰۔ بدایونی: ص ۵۱۵۔ا۔ بدایونی نے فیضی کے مرنے کی بہت سی تاریخیں نقل کی ہیں مثلاً:

فیضی نحس، دشمنِ نبوی
رفت وباخویش داغِ لعنت بُرد
سگکے بو دو دوزخی زان شر
سالِ فوتش "چہ سگ پرستے مُرد"

۴ ۰ ۰ ھ

بدایونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوگوں کے کہنے سننے سے فیضی نے نل دمن میں نعتیہ اشعار شامل کئے تھے۔ ابوالفضل کے قتل کی تاریخ بھی تذکرۂ سرخوش (لاہور ۱۹۴۲ء، ص ۱۲۸) میں اسی قسم کی ہے: تیغ اعجاز رسول اللہ سر باغی برد = ۱۰۱۱ھ

۴۱۔ بدایونی: ص ۳۱۹

دہلوی (۴۲) حضرت مظہر جان جاناں، شاہ غلام علی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا خالد رومی، صاحب فتاوٰی شامی، شاہ عبدالغنی مجددی (جن کے شاگرد مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد مظہر سہارنپوری) اور بانیانِ مدرسہ ہائے دیوبند و بریلی علیہم الرحمہ والغفران وغیرہ پیدا ہوئے۔ پھر ان کے اسباط و اخلاف نے وہ خدمات انجام دیں کہ آج بھی کسی حکمران طبقے کی مجال نہیں کہ وہ عہدِ اکبری کے فتنوں کو دوبارہ رائج کر سکے۔ ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کی دینی حالت دوسرے بلادِ اسلامیہ کے مسلمانوں کے مقابلے میں غنیمت ہے، وہ بھی اسی فیض کی غمازی کرتی ہے پھر دین سے متعلق جتنے بھی مسائل ۱۰۰۱ھ سے آج تک کھڑے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی دوسرے ہزارہ یئے کے اختتام تک (اگر دنیا قائم رہی) کھڑے ہوں گے، ان سب کا حل صراحتاً یا کنایتاً مکتوبات شریف میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے رسالہ اثبات النبوۃ (تحقیق النبوہ) آگرہ میں لکھا گیا ہوگا۔ اس کے نسخے بھی بہت کمیاب ہیں، خانقاہ سراجیہ، کندیاں (ضلع میانوالی) سے مکرمی مولوی جمیل الدین احمد صاحب نے ۳ محرم ۱۲۴۳ھ والے نسخے کی نقل مرحمت فرمائی۔ پھر خدومی قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے محترم ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے توسط سے حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ (ٹنڈو سائیں داد) سے بھی ایک نسخہ حاصل کیا خان محمد تالپر کا لکھا ہوا غالباً تیرہویں صدی ہجری کا ہے۔ لیکن ان تینوں نسخوں میں آخری مقالہ نہیں ہے۔ اسی لیے فی الحال متن کے حواشی میں اختلافِ نسخ ظاہر نہیں کیا۔ محترم مولانا ابوالفضل صغیر الدین صاحب نے شروع سے آخر تک ہر قدم پر بہت زیادہ مدد فرمائی۔ مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی، مفتی محمد مظہر بقا صاحب اور خصوصیت سے مولانا سراج احمد صاحب نے تصحیح و تطبیق میں بڑی مدد فرمائی۔ قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے دامے، درمے، سخنے بلکہ قلمے بھی امداد فرمائی۔ اللہ پاک ان سب حضرات کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

والسلام

احقر۔ غلام مصطفیٰ خاں

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ

۴۲۔ نقش بندی مجددی ہونے کے علاوہ شاہ ولی اللہ کی سند حدیث طاہر مکی سے بھی ہے، اور حضرت مجدد سے بھی۔ ملاحظہ ہو القول الجمیل

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذی ارسل رسوله بالهدی و انزل علیه الکتاب و لم یجعل له عوجا قیما لینذر باسا شدید امن لدنه ویبشر المؤمنین الذین یعملون الصالحات ان لهم اجرا حسانا فاکمل به لعباده دینهم و اتم علیهم نعمته ورضی لهم الاسلام دینا و ختم به الانبیاء والرسل المبعوثین الی الخلق بالآیات الباهرة و المعجزات العظمی لیسلمو الیهم انفسهم تسلیم العمیان الی القائدین وتسلیم المرضی المتحیرین الی الاطباء المشفقین لتحصیل فوائد ومنافع، العقل معزول عنها وجعله افضل الانبیاء و اکرم الرسل و اعدلهم ملة و اقومهم دینا و شرعاً هو الذی اخبر سبحانه عن اعتدال حاله ومرتبة کماله بقاله مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیاتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی محمد ن المبعوث الی کافة الوریٰ لید غوهم الی تنزیهه توحیده ویکملهم فی قوتهم العلمیة و العملیة ویعالج قلوبهم المرضی صلی اللّٰه علیه صلوٰة هو لها اهل وعلیٰ اله و اصحابه الذین هم نجوم الهدی و مصابیح الدجیٰ ما تعاقب الظلم والضیا و سلم تسلیما کثیرا.

اما بعد فیقول العبد المفتقر الی رحمة اللّٰه الولی المعین احمد بن عبد الاحد بن زین العابدین صانهم اللّٰه سبحانه عما لا یلیق بهم ویشین انی لما رایت فتور اعتقاد الناس فی هذا الزمان فی اصل النبوة ثم فی ثبوتها وتحقیقها لشخص معین ثم فی العمل بما شرعته النبوة وتحقق شیوع ذٰلک فی الخلق حتی (۱) ان بعض متغلبة زماننا عذب کثیرا من العلماء بتشدیدات و تعذیبات لایناسب ذکرها

۱. کما فی نسخة مولانا حافظ ها شم جان مد ظله، ولکن فی نسخة دهلی :حتی قتل کثیر من علماء اهل الاسلام لرسوخهم

لرسوخهم فی متابعة الشرایع واذعان الرسل وبلغ الامر الیٰ ان یهجر التصریح باسم خاتم الانبیاء علیه الصلوة والسلام فی مجلسه ومن کان مسمی باسمه الشریف غیر اسمه الی اسم غیره ومنع ذبح البقرة وهو من اجل شعائر الاسلام فی الهند وخرب المساجد ومقابر اهل الاسلام وعظّم معابد الکفار وایام رسوماتهم وعباداتهم وفی الجملة ابطل شعائر الاسلام واعلامه وروّج رسوم الکفار و ادیانهم الباطلة حتی اظهر احکام کفرة الهند فنقلها من لغتهم الی اللغة الفارسیة لیمحو اثار الاسلام کلها وعلمت عموم داء الشك والانکار حتی مرض الاطباء و اشرف الخلق علی الهلاك وتتبعت عقیدة احاد الخلق وسالت عن شبههم و بحثت عن سرائرهم و عقائدهم فماوجدت سببا لفتور اعتقادهم وضعف ایمانهم الّا بعد العهد من النبوة والخوض فی علم الفلسفة وکتب حکماء الهند وناظرت بعض من قرء علم الفلسفة واخذ من کتب الکفرة حظا وادعی الفضیلة والفضل واضل الناس وضل فی تحقیق اصل النبوة وفی ثبوتها لشخص معین حتی قال ان حاصل النبوة یرجع الی الحکمة والمصلحة واصلاح ظاهر الخلق وضبط عوامهم عن التنازع والتشاجر والاسترسال فی الشهوات ولا تعلق لها بالنجاة الاخرویة وانماهی لتهذیب الاخلاق وتحصیل فضائل الاعمال القلبیة التی اوردها الحکماء فی کتبهم وبینوها حق التبیین ثم اورد لتائیده ان الغزالی جعل کتابه احیاء العلوم اربعة ارباع وجعل ربع المنجیات قسیما لربع العبادات کالصلوة و الصوم وغیرهما مما اوردفی کتب الفقه یفهم منه انه موافق للحکماء وان العبادات البدنیة غیر منجیة عند الحکماء ایضاً ثم قال ان حکم من بلغه دعوة النبیّ فی عدم وجوب الایمان بالنبیِّ والفرق بینهما تحکم فقلت ان الحکمة الازلیة والعنایة الالهیة اقتضت بعثة الانبیاء علیهم السلام لتکمیل النفوس البشریة ومعالجة الامراض القلبیة وهو لا یتیسر الا بان یکونوا منذرین للعاصی ومبشرین للمطیع ومخبرین عن عذاب وثواب اخرویین لما ان کل نفس یستولی علیها الشوق الی مشتهیاتها فیقدم علی المعاصی والرذائل من الاعمال وتکمیلهم سبب لسعادتهم ونجاتهم فی الدارین بل النجاة الاخرویة والسعادة

الابدية هى المطلوب من البعثة لان متاع الدنيا قليل واما الحكماء فانهم لما ارادوا ترويج اباطيلهم خلطوا معها ما سرقوا من الكتب المنزلة على الانبياء واقوالهم واقوال اتباعهم الكمل من بيان تهذيب الاخلاق وتحصيل الاعمال الصالحة المتعلقة بالباطن ودونوه علما براسه كما ترىٰ. والامام المحقق حجة الاسلام انما اورده قسيما للعبادات لان الفقهاء انما اوردوه فى كتب الفقه بطريق التبعية والضمن ولم يبينوه حق التبيين لان غرضهم الاصلى يتعلق بظواهر الاعمال ويحكمون بالظاهر ولا يشققون القلوب والبواطن وانما بينه علماء الطريقة والسلوك فالامام جمع بين الشريعة المتعلقة بالظاهر وبين الطرقة المتعلّقة بالباطن وقسم كتابه باعتبار اختلاف المتعلق والمقصد وانما سمى هذا القسم بالمنجى وان ذكر فى العبادات انها منجية ايضالان النجاة من اداء العبادات عرفت عن الفقه ونجاة هذا القسم مما لا يعرف منه فتامل وان بقى لك شك بعد فتامل فى كلامه الذى اوردته فى هذه الرسالة ليحصل لك النجاة من هذه الشبهة بالكلية وقلت ايضا انك مارايت جالينوس وسيبويه فبم عرفت انه كان طبيبا وسيبويه نحويا فان قلت لانى علمت حقيقة علم الطب فطالعت كتبه و تصانيفه وسمعت اقواله فاذا هى مشعرة عن معالجة الامراض وازالة الاسقام فحصل لى منه علم ضرورى بحاله وكذلك علمت النحوورأيت كتب سيبويه و سمعت اقواله فحصل لى منه علم ضرورى بانه نحوى۔ قلت اذا علمت معنى النبوة فاكثر النظر فى القران والاخبار يحصل لك العلم الضرورى بكونه صلى الله تعالىٰ عليه و اله و سلم علىٰ اعلى درجات النبوة وبعد العهد غير قادح فى هذا التصديق كما لا يقدح فى التصديق السابق لماان جميع اقواله وافعاله صلى الله تعالىٰ واله وسلم مشعرعن تكميل النفوس البشرية فى قوتهم العلمية والعملية بالعقائد الحقة والاعمال الصالحة وعن معالجة القلوب المريضة وازالة ظلماتها ولا معنى للنبوة الاذلك واما شاهق الجبل الذى لم يبلغه دعوة النبى صلى الله عليه وسلم وما سمع اقواله وما علم احواله فلا يمكنه التصديق بنبوته ولا يتيسر له العلم بارساله فكان النبىّ لم يبعث فى حقه فكان معذوراغير مكلف بايمانه لقوله

سبحانه وما كُنّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً۔ ولما تمكن فى قلبى وتقرر فى صدرى ان اقرر لهم ما يرفع شكوكهم واحرر لاجلهم مايزيل شبههم لمارأيت ذلك على نفسى حقا واجبا ودينا لازما لا يسقط بدون الاداء فالفت رسالة وحررت مقالة فى اثبات مطلب اصل النبوة ثم فى تحققها وثبوتها لخاتم الرسل عليه من الصلوٰة افضلها ومن التحيات اكملها وفى ردّشبه المنكرين النافين لها وفى ذم الفلسفة وبيان الضرر الحاصل من ممارسة علومهم ومطالعة كتبهم بدلائل وبراهين ملتقطا واخذا اياها من كتب القوم وملحقا ومضيفا اليها ما سنح به خاطرى الكليل بعون اللّٰه الملك الجليل، فاقول الرسالة مرتبة علىٰ مقدمة ومقالتين اما المقدمةففيها بحثان

البحث الاول فى التحقيق فى معنى النبوة

اعلم ان النبى عند المتكلمين من قال له الله ارسلتك الى قوم كذا اوالى كافة الناس اوبلغهم عنى اونحوه من الالفاظ المفيدة لهذا المعنى كبعثتك اليهم ونبئهم ولا يشترط فى الارسال شرط ولا استعداد ذاتى كما زعمه الحكماء بل الله يختص برحمته من يشاء وهو اعلم حيث يجعل رسالته لماهو سبحانه قادر مختار يفعل مايشاء ويختار مايريد اقول لا يتوهم ان المتكلمين شرطوا المعجزة للنبىّ ايضاوجعلوها من خواص يمتاز هوبها عن غيره لان المعجزة عندهم شرط للعلم بكونه نبيا لا لكونه نبيا والمرادمن الامتياز الامتياز العلمى لا الذاتى فافهم. واما الفلاسفة فقالوا النبى من اجتمع فيه خواص ثلث يمتاز بهاعن غيره احدها ان يكون له اطلاع على المغيبات الكائنة والماضية والأتية قلنا ان الاطلاع على جميع المغيبات لا يجب على النبى اتفاقا منا ومنكم والاطلاع على البعض لا يختص بالنبى كما جوز تموه للمرتاضين والمرضى والنائمين فلا تميز اقول لعلهم ارادوا الاطلاع على اكثر المغيبات الخارج عن المعتاد الخارق للعادة وهو

لیس مجهولا بل هو معلوم عادة وعرفا واما الاطلاع علی الغیب و الاخبار به مرة اومرتین بدون التکرار البالغ حد الاعجاز فلیس بخارق للعادة فحینئذ یتمیز النبی عن غیره فافهم .اعلم ان المتکلمین ایضا معترفون بان الانبیاء یعلمون الغیب باعلام الله سبحانه الاان الاشتراط به باطل وکذا السبب الذی اوردته الفلاسفة للاطلاع مردود ایضا لاینا سب اصول اهل الاسلام بقی شئ وهوان الاطلاع علی المغیبات علی هذا التقدیر یکون داخلا فی الخاصة الثانیة لما انه من الامور العجیبة الخارقة للعادة فلا یظهر لا یراده علاحدة وجه حسن فتامل وثانیها ان یظهر منه الافعال الخارقة للعادة ککون هیولی عالم العناصر مطیعة لهٗ منقادة لتصرفاته انقیادبدنه لنفسه فلا یبعدان یقوی نفس النبی فیؤثر فی الهیولی العنصریة بحسب ارادته وتصرفاته حتی یحدث بارادته فی الارض ریاح وزلازل وحرق وغرق وهلاك اشخاص ظالمته وخراب ابدان فاسدة قلنا هذابناء علی تاثیر النفوس فی الاجسام وقد بین فی موضعه ان لا موثر فی الوجود الاالله سبحانه علی ان ظهورا لامور العجیبة الخارقة للعادة لا یختص بالنبی کما اعترفتم به فکیف یمیزه عن غیره اقول ان الفلاسفة وان جوزوا ظهورالامورالعجیبة الخرقة للعادة لا یختص بانبی کما اعترفتم به فکیف یمیزه عن غیره؟ اقول ان الفلاسفة وان جوزوا ظهورا لامورالعجیبة من غیر الانبیاء ایضا لکنهم لم یجوزا تکرارها وبلوغها الی حد الاعجاز الخارق للعادة کما یفهم عن عباراتهم فحینئذ یتمیز النبی عن غیره لظهور الامور العجیبة الخارقة للعادة من النبی و عدم ظهور تلك الامور من غیره فافهم والله سبحانه اعلم بالصواب .

وثالثها ان یری الملائکة مصورة بصور محسوسة ویسمع کلامهم وحیا من الله سبحانه قلنا هذا لایوافق مذهبهم واعتقادهم بل هو تلبس علی الناس فی معتقدهم وتستر عن شناعته بعبارة لا یقولون بمعناها لانهم لا یقولون بملائکة یرون بل الملائکة عندهم اما نفوس مجردة فی ذواتها متعلقة باجرام الافلاك وتسمی ملائکة سماویة او عقول مجردة ذاتا وفعلا ویسمی بالملاء الاعلی ولا کلام لهم حتی یسمع لانه من خواص الاجسام اذابحروف والاصوات عندهم

من الامور العارضة للهواء المتموج اقول لعل الفلاسفة انما منعوا روية المجردات وسماع كلامهم اذا كانوا غير مصورين بصور وغير مجسمين باجسام وحينئذ جاز ان يتمثلو ابصورو يظهر وابا جسام فيتعلق الروية بهم ويجوز سماع كلامهم ايضا لان لكل مرتبة حكما جوازا ومنعا وهؤلاء لما تنزلوا عن مراتبهم العالية ولبسوا كسوة التنزل اخذوا احكام هذه المرتبة ولا محذورفيه فافهم والله سبحانه اعلم۔

البحث الثانی فی المعجزة

وهی عندنا عبارة عما قصدبه اظهار صدق من ادعی انه رسول الله ولها شرائط

الف: ان تكون فعل الله لان التصديق منه لا يحصل بما ليس من قبله

ب: ان تكون خارقة للعادة لان ما هو معتاد كطلوع الشمس فی كل يوم وبدوأ الازهارفی كل ربيع لا يدل علی الصدق كما تری

ج: ان يتعذر معارضتها لان ذلك حقيقة الاعجاز

د: ان تكون ظاهرة علیٰ يدمدعی النبوة ليعلم انه تصديق له

ه: ان تكون موافقة للدعوٰی فلو قال معجزتی ان احيي ميتا ففعل خارقا اخر كنتق الجبل مثلا لم يدل علی صدقه لعدم تنزله منزلة تصديق الله سبحانه ايّاه

و: ان لا يكون ما ادعاه واظهره من المعجزة مكذبا له فلو قال معجزتی ان ينطق هذا الضب فنطق الضب انه كا ذب لم يعلم به صدقه بل ازداد اعتقاد كذبه لان المكذب هو نفس الخارق

ز: ان لا تكون متقدمة علی الدعوی لان التصديق قبل الدعوی لا يعقل واما كلام عيسی عليه السلام فی المهد وتساقط الرطب الجنی عليه من النخلة اليابسة وشق بطن محمد صلی الله عليه واله وسلم وغسل قلبه واظلال الغمامة وتسليم الحجر والمدر عليه وغيرها مما كانت متقدمة علی دعوی النبوة فا ست

معجزات بل هی کرامات وتسمی حینئذ ارهاصا ای تاسیسا للنبوة واما المعجزة المتاخرة عن الدعوی فاما ان یکون تاخرها بزمان یسیر یعتاد مثله فظاهر انها دالة علی الصدق واما ان یکون تاخرها بزمان متطاول مثل ان یقول کذا بعد شهر فحصل فاتفقوا علی انه معجزة ایضادالة علیٰ ثبوة النبوة لکنه انتفی التکلیف بمتابعته حینئذ مالم یحصل الموعود لان شرطه العلم بکونه معجزة وذلک بعد حصول ما وعد به واما کیفیة دلالتها علیٰ صدق مدعی النبوة فاعلم ان هذه الدلالة لیست دلالة عقلیة محضة کدلالة الفعل علی وجود الفاعل ودلالة احکامه واتقانه علی کونه عالما بما صدر عنه فان الادلة العقلیة ترتبط بنفسها بمدلولاتها ولا یجوز تقدیرها غیر دالة علیها ولیست المعجزة کذالک فان خوارق العادات کانفطار السمٰوت وانتشار الکواکب وتدکک الجبال تقع عند تصرم الدنیا وقیام الساعة ولا ارسال فی ذالک الوقت وکذلک یظهر الکرامات علی ایدی الاولیاء من غیر دلالة علی صدق مدعی النبوة ولا دلالة سمعیة لتوقفها علی صدق النبی ﷺ فیدور بل هی دلالة عادیة. کذاحققه السید السند فی شرح المواقف اقول وباللّٰه العصمة والتوفیق ان التصریح بالتحدی وطلب المعارضة وان لم یکن شرطا للمعجزة عند الجمهور الاان التحدی الضمنی المفهوم من قرائن الاحوال مما لا بد منه فی المعجزة عند الکل وبدونه لا تصیر معجزة فالاخبار عن اشیاء یکون وقوعها وتحققها عند تصرم الدنیا وقیام الساعة لا یکون معجزة لما لا تحدی ثمة اصلااماصریحا فظاهر واما ضمنا فکذلک لما لا وجود لاحد فی ذلک الوقت حتی یتصور منه طلب المعارضة وکذلک الکرامات الظاهرة علی ایدی الاولیاء لیست معجزات لعدم مقارنتها الدعویٰ والتحدی فلا یلزم من عدم دلالة هذه الخوارق علی صدق مدعی النبوة خلو المعجزات هذه الدلالة والمطلوب هو ذاک فافهم. فان قلت دلالة المعجزات علی صدق مدعی النبوة لیست الا لانها خارقة للعادة ولامدخل لخصوصیة المعجزة فی هذه الدلالة قلت لیس الامر کما زعمت بل الدال هو تعذر المعارضة وعدم قدرة الغیر علی اتیان مثلها الذی هو حقیقة الاعجاز فیکون لخصوصیتها مدخل فی الدلالة بل هی

العمدة فی الدلالة لا یقال قد صرح السیّد السند الشریف فی شرح المواقف بان الدلیل النقلی المحض لا یتصور اذ صدق المخبر لا بدمنه وانه لا یثبت الا بالعقل وهو ان ینظر فی المعجزة الدالة علی الصدیق یفهم منه ان دلالة المعجزة علی صدق النبی عقلیة ونفی ههنا الدلالة العقلیة عنها فهل هذا الاتناقض لانا نقول المفهوم من هذه العبارة هو نظر العقل فی المعجزة الدالة علی الصدق لیعلم منه صدق المخبر واما ان دلالتها علی الصدق عقلیة او عادیة اوغیر ذالك فمما لا یفهم منها اصلا سلمنا ذلك لكن لا یفهم منها انهاد لا لة عقلیه محضة وهو المطلوب بالنفی ههنا لمالا یدعی احد ان لا مدخل للعقل فی دلا لتها اصلا لیكون تناقضا والحصر الواقع فی عبارته قدس سرّه اضافی اورد بالنسبة الی النقل فتامّل وكذا لیست دلالة المعجزة علی صدق النبی دلالة سمعیة والا یدور لوقفها علی صدق النبی بل هی دلالة عادیة حیث اجری اللّٰه تعالیٰ عادته بخلق العلم بالصدق عقیب ظهورالمعجزة فان اظهار المعجزة علی یدالكاذب وان كان ممكنا عقلا فمعلوم انتفاؤه عادة لان من قال انا نبی ثم نتق الجبل واوقفه علی رؤسهم وقال ان كذبتمونی وقع علیكم وان صدقتمونی انصرف عنكم وكلما همّوا بتصدیقه بعد عنهم واذاهموا بتكذیبه قرب منهم علم بالضرورة انه صادق فی دعواه والعادة قاضیة بامتناع ذلك من الكاذب وقد اوردوا لهذا مثلا وقالوا اذا ادعی الرجل بمشهد الجم الغفیر انی رسول هذا الملك الیكم ثم قال للملك ان كنت صادقا فخالف عادتك وقم من الموضع المعتادلك وهوالسریر واقعد بمكان لا تعتاده ففعل كان ذلك نازلامنزلة التصدیق بصریح مقاله ولم یشك احدفی صدقه بقرینةالحال ولیس هذامن باب قیاس الغائب علی الشاهد بل ندعیٰ ان ظهور المعجزة یفید علما ضروریا بالصدق وان كونه مفیدا له معلوم بالضرورةالعادیةونذكرهذا المثال للتفهیم وزیادة التقریر ۔ وقالت المعتزلة خلق المعجز علی یدا لكاذب مقدورللّٰه تعالی لعموم قدرته لكنه ممتنع وقوعه فی حكمته لان فیه ایهام صدقه وهوا ضلال قبیح من اللّٰه سبحانه فیمتنع صدوره عنه كسائر القبایح قال الشیخ وبعض اصحابنا ان خلق المعجزة علی یدا الكاذب غیر

مقدور فی نفسه لان للمعجز ة دلا لة علی الصدق قطعا بحیث یمتنع التخلف عنها فلا بدلها من وجه دلالة اذبه یتمیز الدلیل الصحیح عن الفاسد وان لم نعلم ذلك الوجه بعینه فان دل المعجز المخلوق علی یدا لکاذب علی الصدق کان الکاذب صادقاوهو محال والا انفك المعجز عما یلزمه من دلالةالقطعیة علی مدلوله وهو ایضامحال وقال القاضی اقتران ظهور المعجزة بالصدق لیس امرا لازما لزوما عقلیا کاقتران وجودالفعل بوجود فاعله بل هو احدالعادیات کما عرفت فاذا جوزنا انخراقها عن مجراها العادی جاز اخلاء المعجز عن اعتقاد الصدق و حینئذ یجوز اظهاره علی ید الکاذب ولا محذورفیه سوی خرق العادةفی المعجزة والمفروض انه جائز واما بدون ذلك التجویز فلا یجوز اظهاره علی یدالکاذب لان العلم بصدق الکاذب محال . اقول ان تجویز انخراق العادیات عن مجراها العادی مطلقا یوجب تجویز اخلاء المعجزة عن اعتقاد صدق النبی ایضا لان العلم بصدقه عقیب المعجزة عادی فحینئذ لا یتمیز الصادق عن الکاذ ب و ینسد باب اثبات النبوة لان العمدة فی اثباتها تحقق العلم الضروری العادی بصدق النبی عند ظهور المعجزة بل یلزم ان لا یکون المعجزة معجزة وان لا یکون لها دلالة علی الصدق اصلا لانها باعتبار خرقها العادة تسمی معجزة وتدل علی الصدق فلو جوزنا انخراق العادة مطلقاصارت هی حینئذ کالامور المعتادة فی عدم الدلالة علی الصدق کطلوع الشمس فی کل یوم فالحق فی هذا المقام ما اتلو علیك انا انما جوزنا خرق العادة خاصة فی حق النبی اعجازا و فی حق الولی کرامة مع کونه مخصوصة لحصوله فی کل عصر وتحققه فی کل زمان حتی صارعادة مستمرة لا یمکن انکاره وارتفع استبعاده واما فیما وراء ذلك فالعادة باقیة علی حالتها الاصلیة لایرتفع استبعادها ولا یتطرق الیها شبهة ولا یجوز فیها انخراق اصلا والایلزم تجویز انقلاب الجبل الذی رأیناه فیما مضی ذهباالان و کذاماء البحر دما او دهنا و اوانی البیت رجالا علماء وتولّد هذا الشیخ دفعة بلااب وام وکون من ظهرت المعجزة علی یده غیر من ادعی النبوة بان یعدم هو ویوجد مثله ولا یخفی ما فیه من الخبط والاخلال فی امور المعاش و المعاد فلو اظهر الله سبحانه

المعجزة على يدالكاذب لم يتخلف عنها اعتقاد صدقه عادة ويلزمها العلم العادى بصدقه لما ان العادة احد طرق العلم كالحس والعدم بصدق الكاذب محال وايضا يكون اظهار المعجزة تصديقامن الله للكاذب وتصديق الكاذب كذب تعالى الله عما يقول الظالمون علوا كبير (۱) واما السحر ونحوه فمن قبيل ترتيب السباب لحصول المسببات وليس من الخوارق فى شيئى على انه قوهيم وتخنيل واراةحقيقة غير متحققة فى نفس الامر كَسَرابٍ بِقِيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰى اِذَا جَآئَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا.

المقالة الاولىٰ وفيها مسلكان

المسلك الاول، فى البعثة وحقيقة النبوة واضطرار كافة الخلق اليها اعلم ان جوهر الانسان فى اول الفطرة خلق ساذجاخاليالا خبر معه من عوالم الله والعوالم كثيرة لا يعلمها الا الله سبحانه كما قال سبحانه وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ وانما خبره من العوالم بواسطة الادراك فكل ادراك من الادراكات انما خلق ليطلع الانسان به على عالم من الموجودات ونعنى بالعوالم اجناس الموجودات فاول ما يخلق فى الانسان حاسة اللمس فيدرك به الحرارة والبرودة والرطوبة واليبوسة واللين والخشونة وغيرها واللمس قاصرعن ادراك الالوان والاصوات قطعًا بل هى كالمعدومة فى حق اللمس ثم يخلق له البصر فيدرك به الاوان والاشكال وهو اوسع عالم المحسوسات ثم ينفتح له السمع فيسمع الاصوات والنغمات ثم يخلق له الذوق كذلك الىٰ ان يجاوز عالم المحسوسات فيخلق فيه التميز وهوقريب من سبع سنين وهوطور اٰخر من اطوار وجوده فيدرك فيه اموارا زائدة على المحسوسات يوجد منها شئى فى عالم الحس ثم يترقى الى طورا ٰخر فيخلق له العقل فيدرك الواجبات والجائزات والمستحيلات واموارا لاتوجد فى

---

(۱) فى القراٰن المجيد : سُبْحٰنَهٗ وتعلىٰ عَمَّايَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (بنى اسرائيل :۴۳)

الاطوار التى قبله ووراء العقل طور اخر تنفتح فيه عين اخرى يبصر بها الغيب وما سيكون فى المستقبل وامورا أخرى العقل معزول عنها كعزل قوة الحس عن مدركات التميز وكماان المتميز لو عرض عليه مدركات العقل لابى واستبعدها فكذلك بيض العقلاء ابى مدركات النبوة فاستبعد ها وذلك عين الجهل اذلا مستندله الاانه طورلم يبلغه ولم يوجد فى حقه فظن انه ليس موجوداً فى نفسه والا كمه لو لم يعلم بالتواتر والتسامع الالوان والاشكال وحكيت له ابتداء لم يعلمها ولم يقربها وقد قرب الله تعالى ذلك على خلقه بان اعطاهم انموذجا من خاصة النبوة وهو النوم اذالنائم يدرك ماسيكون من الغيب اما صريحا اوفى كسوة مثال يكشف عنه التعبير وهذا القسم لو لم يجربه الانسان من نفسه وقيل له ان من الانسان من يسقط مغشيا عليه كالميت ويزول احساسه وسمعه وبصره فيدرك الغيب لا نكره ولا قام البرهان على استحالته وقال القوى الحاسة اسباب الادراك فمن لم يدرك الاشياء مع وجودها وحضورها فبان لا يدرك مع ركودها اولى واحق وهذا نوع قياس يكذبه الوجود والمشاهدة وكماان العقل طور من اطوار الادمى تحصل فيه عين يبصر بها انواعامن المعقولات والحواس معزولة عنها فكذلك النبوة عبارة عن طور تحصل فيه عين لها نور يظهر فى نورها الغيب وامور لا يدركها العقل والشك فى النبوة اماان يقع فى امكانها اوفى وجودها ووقوعها او حصولها لشخص معين ودليل امكانها وجودها ودليل وجودها وجود معارف وعلوم لا يتصور ان تنال بالعقل كعلم الطب والنجوم فان من بحث عنهما علم بالضرورة انهما لا يدركان الابالهام الهى وتوفيق من جهة الله تعالى سبحانه ولا سبيل اليهما بالتجربة فمن الاحكام النجومية مالاتقع الافى كل الف سنة مرة فكيف ينال ذلك بالتجربة وكذلك خواص الادوية فتبين بهذا البرهان ان من الامكان وجود طريق لادراك هذه الامور التى لا يدركها العقل وهوالمراد بالنبوة لان النبوة عبارة عنها فقط بل ادراك هذا الجنس الخارج من مدركات العقل احدى خواص النبوة ولها خواص كثيرة سواها وما ذكرناها قطرة من بحرها انما ذكرنا ها لان معك انموذجا منها من مدركاتك فى النوم ومعك علوم من جنسها فى

الطب و النجوم وهی معجزات الانبیاء ولا سبیل الیها للعقلاء ببضاعة العقل اصلا واما ما عداها من خواص النبوة فانماتدرك بالذوق من سلوك طریق التصوف وسبیل اولیاء اللّٰه ولکن هذه الخاصة الواحدة تکفیك للایمان باصل النبوة کما ذکره الامام الغزالی فی کتابه المسمی بالمنقذ من الضلال قالت الفلاسفة البعثة حسنة لاشتمالها علی فوائد کمعا ضدة العقل فیما یستقل بمعرفة العقل مثل وجود الباری وعلمه وقدرته واستفادة الحکم من النبی فیما لا یستقل به العقل مثل الکلام والرؤیة والمعاد الجسمانی لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ(۱) وازالة الخوف الحاصل عند الاتیان بالحسنات لکونه تصرفا فی ملك اللّٰه بغیر اذنه وعند ترکها لکونه ترك الطاعة واستفادة الحسن والقبح فی الافعال التی یحسن تارة ویقبح اخری من غیر اهتداء للعقل الی مواقعها ومعرفة منافع الاغذیة والادویة ومضارها التی لا تفی بها التجربة الابعد ادوار واطوار مع ما فیها من الاخطار وحفظ النوع الانسانی فان الانسان مدنی بالطبع الی التعاون فلابد من شرع یفرضه شارع یکون مطاعا وتکمیل النفوس البشریة بحسب استعداداتهم المختلفة فی العلمیات والعملیات وتعلیمهم الصنایع الحقیقیة من الحاجات والضروریات والاخلاق الفاضلة الراجعة الی الاشخاص والسیاسات الکاملة العائلة الی الجماعات من المنازل والمدن والاخبارات بالعقاب والثواب ترغیبا فی الحسنات وتحذیرًا عن السیئات الی غیر ذٰلك۔ لا یخفی ان المفهوم من هذا الکلام وجوب البعثة فالمرادبالحسن مایعم الواجب ایضا ویؤیده ماوقع التصریح منهم فی بعض المواضع بان البعثة واجبة۔

اعتراضات المنکرین

والمنکرون للبعثة اوردوا اعتراضات الاول المبعوث لابدان یعلم ان القائل له ارسلتك فبلغ عنی هو اللّٰه ولا طریق الی العلم به اذ لعله من القاء الجن وانکم اجمعتم علیٰ وجوده. والجواب ان المرسل ینصب دلیلا یعلم به الرسول ان

(۱) النساء ۱۶۵

القائل له ارسلتك هو الله دون الجن بان يظهر الله سبحانه أيات ومعجزات يتقاصر عنها جميع المخلوقات وتكون مفيدة له ذلك العلم او يخلق علما ضروريا فيه بانه المرسل والقائل الثانى ان من يلقى الیٰ النبی الوحی ان كان جسمانيا وجب ان يكون مرئيا لكل من حضر حال الالقاء وليس الامر كذلك كما اعترفتم به وان لم يكن جسمانيا بل روحانيا كان القاء الوحی منه بطريق التكلم مستحيلا اذلا يتصور للروحانياة كلام والجواب باختيار الشق الاول ومنع الملازمة استنادًا بانه جاز ان لا يخلق الله رؤية فی الحاضرين فان قدرته لا تقصر عن شئی ولا يخفی ان تجويز عدم خلق روية للحاضرين مع انه فی نفسه ممكن مقدور لله سبحانه يستلزم تجويز ان يكون بحضرتنا جبال شاهقة وبلاد عظيمة لا نراها وبوقات وطبول لا نسمعها وهو سفسطة فاقول والله سبحانه اعلم ان الملقى جسمانی لطيف شفاف وهو الملك وروية الجسم الشفاف غير معتادة كالسماء فلا يلزم السفسطة وانما يلزم ان لو يجوز عدم روية الجسم الكثيف لما هو خلاف المعتاد فافهم . ولنا ان نجيب باختيار الشق الثانی ايضا بان يكون الروحانی متمثلا بصورة لطيفة شفافة ويسمع الرسول كلامه وحيامن الله سبحانه كمامرّ ولا محذور فيه فتامل ، الثالث التصديق بالرسالة يتوقف على العلم بوجود المرسل وما يجوز عليه وما لا يجوز وانه لا يحصل الابغامض النظر والنظر الموصل الى هذا العلم غير مقدر بزمان معين،كيوم اوسنة بل هو مختلف بحسب الاشخاص واحوالهم فللمكلف الاستمهال لتحصيل النظر و له دعوى عدم العلم فی ای زمان كان وحينئذ يلزم افحام النبی ويبقى البعثة عبثا وان لم يجز له الاستمهال بل وجب عليه التصديق بلا مهلة لزم التكليف بما لا يطاق لان التصديق بالرسالة بدون العلم المذكور ممالايتصورو جوده وانه قبيح عقلا فيمتنع صدوره عن الحكيم تعالیٰ ۔ والجواب انه لا يجب الامهال لا نابيّنا فيما سبق من انه اذا ادعى الرسالة واقترن بدعواه المعجزة الخارقة للعادات وجب المتابعة بلا مهلة لحصول العلم العادی عند ظهور المعجزة بصدق الرسول فافهم ۔

الرابع ان البعثة لا يخلو عن التكليف لانه فائدتها والتكليف ممتنع بوجوه

الاول انه يثبت الجبر لما ان فعل العبد واقع بقدرة اللّٰه تعالیٰ اذ لا تاثير لقدرة العبد عندكم والتكليف بقدرة الغير تكليف بما لا يطاق والجواب ان قدرة العبدوان كان غير موثرة الا ان لها تعلقا بالفعل يسمى كسبا وباعتباره جازا التكليف به فلا يكون تكليفا بما لا يطاق. الثانى ان التكليف اضرار بالعبد لما يلزمه من ضرر التعب بالفعل او العقاب بالترك والا ضرار قبيح واللّٰه تعالیٰ منزه عنه والجواب ان مافى التكليف من المصالح الدنيويه والاخروية يربى كثير اعلى المضرة التى هى فيها كما سيجئى تحقيقه وترك الخير الكثير لاجل الشر القليل مما لا يجوز الثالث ان ما فى التكليف من التعب امالا لغرض وهو عبث قبيح اولغرض يعود الى اللّٰه وهو تعالیٰ منزه عن الاغراض كلها اوالى العبد وهواما اضرارو هو منتف بالاجماع اونفع وتكليف جلب النفع والتعذيب بعدمه بخلاف المعقول لا نه بمنزلة ان يقال له حصّل المنفعة لنفسك والا عذابتك ابد الاباد والجواب انه فرع حكم العقل بالحسن والقبح ووجوب لغرض فى افعاله تعالیٰ وقد ابطلنا كل واحد منهما فى موضعه وايضا ان التكليف الغرض يعود الى العبد وهو المنافع الدنيوية والاخروية التى تربى على مضرة التعب بمشاق الافعال واما عقابه ابدا فليس لانه لم يحصل المنفعة بل لانه لم يمتثل امرمولاه وسيده وفى ذٰلك اهانة القول واللّٰه سبحانه اعلم للمعترض ان يقول لم كلف الله سبحانه به مع علمه بانه لا يتمثل ولا يستجلب به فائدة لنفسه فهل هذا الااضرار له وهو قبيح ويمكن الجواب عنه بان التكليف وان كان بالنسبة اليه اضرارا الاانه قدمران الضرر القليل لاجل الخير الكثير مما يجوز عقلا فلايكون قبيحا قالت المعتزلة ان فى تكليف الكافر فائدة ايضاوهى التعريض للثواب فان الثواب فائدة امتثال المكلف للمكلف به لافائدة التكليف وقريب من هذا ماوردوا مثالاً وهو كمن دعاغيره الى طعامه وهو يعلم انه لا يجيبه الاانه استعمل معه نوعامن التادب والتلطف واذلم يفعل الداعى ذلك النوع من التادب كان ناقضا لغرضه۔

حکمۃ البعثۃ والشرائع

الاولی والانفع فی هذا المقام ان یذکر ما قاله حکماء الاسلام من ان التکلیف حسن بیان ذلك ان اللّٰه تعالیٰ خلق الانسان بحیث لا یستقل وحده بامور معاشه لاحتیاجه الی غذاء ولباس ومسکن وسلاح وغیر ذلك من الامور التی کلها صناعی لایقدر علیها صانع واحد مدة حیاته وانما یتیسر لجماعة یتعاضدون ویتشارکون فی تحصیلها بان یعمل کل لصاحبه بازاء ما یعمل له الآخر مثلا یخیط هذا لذلك ویحصل ذلك الابرة لهٗ ــــ وعلیٰ هٰذا قیاس سائر الامور فیتم امر معاشه باجتماع من بنی نوعه ولهذاقیل الانسان مدنی بالطبع فان التمدن باصطلاحهم عبارة عن هذا الاجتماع ولا ینتظم الا اذا کان بینهم معاملة وعدل لان کل واحد یشتهی مایحتاج الیه ویغضب علی من یزاحمه فیه وذالك یدعوه الی الجور علی الغیر فیقع من ذلك الحرج فیختل امر الاجتماع ونظامه للمعاملة وللعدل جزئیات غیر محصورة لاینضبط الا بوضع قوانین هی السنة والشرع فلا بدمن شارع ثم انهم لوتنازعوا فی وضع السنة والوضع والشرع لوقع الحرج فینبغی ان یمتاز الشارع منهم باستحقاق الطاعة لینقادا لباقون له فی قبول السنة والشرع منه وهذا الاستحقاق انما یتصور باختصاصه بایات تدل علی انه من عنداللّٰه تعالی وتلك هی المعجزات ثم ان الجمهور من الناس یستحقرون احکام الشرع اذا استولی علیهم الشوق الیٰ مشتهیاتهم فیقدمون علی المعصیة ومخالفة الشرع فاذا کان للمطیع ثواب وللمعاصی عقاب فحملهم الخوف والرجاء علی الطاعة وترك المعصیة کان انتظام الشریعة اقوی مما اذا لم یکن کذالك فوجب علیهم معرفة الشارع والمجازی ولا بدمن سبب حائطٍ بتلك المعرفة فلذلك شرعت العبادات المذکورة لصاحب الشرع والمجازی وکررت علیهم حتی استحکمت التذکربه لتکریر فاذًا ینبغی ان یکون الشارع داعیا الی

التصديق بوجود خالق عليم قدير والى الايمان بشارع مرسل اليهم من عنده صادق والى الاعتراف بوعد ووعيد وثواب وعقاب اخرويين والى القيام بعبادات يذكر فيها الخالق بنعوت جلاله والى الانقياد بسنة التى يحتاج اليها الناس فى معاملاتهم حتى يستمر بتلك الدعوة العدل المقيم لنظام امور النوع وتلك السنة استعمالها نافع فى امور ثلثة الاول رياضة القوى النفسانية بمنعها عن معانقة الشهوة ولغضب المانعة عن توجه النفس الناطقة الى جناب القدس الثانى ادامة النظر فى الامور العالية المقدسة عن العوارض المادية والكدورات الحسية المودية الى ملاحظة الملكوت الثالث تذكر انزارات الشارع ووعده للمحسن ووعيده للمسئى المستلزمة لاقامة العدل فى الدنيا مع زيادة الاجر والثواب فى الاٰخرة هٰذا كلامهم وقريب من هذا ما قالت المعتزلة من ان التكليف واجب عقلا لانه زاجر عن ارتكاب القبائح لان الانسان بمقتضى طبعه يميل الى الشهوات والمستلذات فاذ اعلم انها حرام انزجر عنه والزجر عن القبايح واجب. الرابع (١) التكليف امامع وجود الفعل ولافائدة فيه اصلا لوجوده وتعيين صدوره فيكون عبثا قبيحا من وجوه امتناع التكليف وكذا الحال اذا كان التكليف بعد الفعل مع انه تكليف بتحصيل الحاصل واما قبل وجود الفعل وانه تكليف بما لا يطاق لان الفعل قبل الفعل محال اذلا يمكن وجودالشئى حال عدمه (٢) والجواب ان القدرة مع الفعل عندنا والتكليف به فى هٰذه الحالة ليس تكليفا بالمحال الذى هو تحصيل الحاصل وانما يكون كذٰلك ان لوكان الفعل حاصلاً بتحصيل سابق على التحصيل الذى هو ملتبس به وليس كذٰلك بل هو حاصل بذٰلك التحصيل على انا نقول التكليف كالاحداث فيقال احداثه اماحال وجوده فيكون تحصيلا للحاصل واما حال عدمه فيكون جمعابين النقيضين والاحداث مما لاشك فيه

فما هو جوابكم فى الاحداث فهو جوابنا فى التكليف والمعتزلة اجابوا عن هذا الاعتراض بان التكليف قبل الفعل ليس ذٰلك تكليفا بما لا يطاق لان التكليف

١۔ اى الوجه الرابع من وجوه امتناع التكليف

٢۔ اى باختيار الشق الاول

فی الحال انما هو بالایقاع فی ثانی الحال لا بالایقاع فی الحال لیکون جمعا بین النقیضین وهو الوجود والعدم کماان تکلیف الکافر فی الحال انما هو بایقاع الایمان فی ثانی الحال وفیه نظر لانه ان استمر الکفر مثلا فی ثانی الحال فلا قدرة فیه علی الایمان وان بدّل بالایمان لم یکن مکلفا به لاستحالة التکلیف لتحصیل الحاصل ویمکن الجواب عنه بان التکلیف لا یتعلق الابما هو مقدور واللازم منه ان یکون المکلف به مقدورا فی زمان وجوده واما کون القدرة مجامعة للتکلیف فلا مع ان التکلیف بتحصیل الحاصل انما یستحیل اذاکان بتحصیل آخر لا بذلك التحصیل کمامر فان قلت ان استمرار الکفر فی ثانی الحال لا ینفی قدرته علی الایمان فیه عندهم لان الایمان حال الکفر مقدور بزعمهم لان القدرة قبل الفعل ثابتة الیصح تکلیف الکافر بالایمان لما ان التکلیف لغیر المقدور غیر واقع لقوله تعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وحینئذ یصح الجواب باختیار الشق الاول (۱) ایضا کما تری فاقول واللّٰه سبحانه اعلم مراد الناظر انه علی تقدیر استمرار الکفر فی ثانی الحال یکون الایمان غیر مقدورا فیه ایضا لانه جمع بین الوجود والعدم فلا یکون لاعتذارهم بان التکلیف فی الحال انما هو بالایقاع فی ثانی الحال فائدة اصلا، فعلی هذا لایمکن الجواب باختیار الشق الاول (۲) کمالایخفی فافهم۔

الخامس (۳) لبعض الملاحدة ان التکلیف بالافعال الشاقة البدنیة یشغل اباطن عن التفکر فی معرفة اللّٰه تعالیٰ وما یجب له من الصفات وما یفوز ویمتنع من الافعال ولاشك انالمصلحة المتوقعة من هذا الغایت وهو النظر فیما ذکر یربی علی ما یتوقع مما کلف به فکان ممتنعا عقلا والجواب ان التفکرفی معرفة اللّٰه تعالی سبحانه هوالمقصد الاقصی من التکلیف وسائر التکالیف معینة علیه داعیة الیه ووسیلة الی صلاح المعاش المعین علی صفاء الاوقات عن المشوشات التی یربی شغلها علی شغل التکالیف. الاعتراض الخامس ان فی العقل مندوحة وکفایة

۱، ۲ الصحیح الثالث

۳ ای الوجه الخامس من وجوه امتناع التکلیف

عن البعثة فلا فائدة فيها احتجوا بان ماحكم العقل بحسنه يفعل وما حكم بقبحه يترك وما لم يحكم فيه بحسن ولا بقبح يفعل عند الحاجة اليه لان الحاجة حاضرة فيجب اعتبارها دفعا لمضرة فواتها ولا يعارضها مجرد احتمال المضرة بتقدير قبحه ويترك عند عدمها للاحتياط فى دفع المضرة المتوهمة والجواب بعد تسليم حكم العقل با الحسن والقبح والمنفعة والمضرة وبيان مايقصر عنه العقل ابتداء فان القائلين بحكم العقل لا ينكرون من الافعال مالايحكم العقل فيه بشيئى كوظائف العبادات وتعيين الحدود ومقاديرها وتعليم ما ينفع وما يضر من الافعال والنبى الشارع كالطبيب الحاذق يعرف الادوية وطبائعها وخواصها بما لوامكن معرفتها للعامة بالتجربة ففى دهر طويل يحرمون فيه من فوائد ها ويقعون فى المهالك قبل استكمالها اذ ربما يستعملون من الادوية فى تلك المدة ما يكون مهلكا ولا يعلمون ذلك فيهلكهم مع ان اشتغا لهم بذلك يوجب اتعاب النفس وتعطل الصناعات الضرورية والشغل عن مصالح المعاش فاذا تسلموه من الطبيب خفت المؤنة وانتفعوا به وسلموا من تلك المضار فكما لا يقال فى امكان معرفة ماذكر غنىً عن الطبيب فكذا لايقال فى امكان معرفة التكاليف واحوال الافعال بتامل العقل فيها غنى عن المبعوث كيف والنبى لا يعلم ما لا يعلم الامن جهة الله سبحانه بخلاف الطبيب اذ يمكن التوصل الى جميع ما يعلمه بمجرد الفكر والتجربة فاذا لم يكن هو مستغنى عنه كان النبى اولى بذلك وفيما تقدم من تقرير مذهب الحكماء فى اثبات النبوة وحسب التكليف ـ تتمة هذا الكلام ـ

السادس المعجزة ممتنعة لانها خرق للعادة وتجويزه سفسطه فلا يثبت النبوة والجواب ان خرق العادات ليس اعجب من اول خلق السموٰت والارض وما بينهما والجزم بعدم وقوع الخرق فى بعض المواد لا ينا فى امكانه فى نفسه على ان خرق العادة من الانبياء والاولياء عادة مستمرة يوجد فى كل عصر واوان فلا يمكن للعاقل المنصف انكاره بل نقول ان المعجزة عند نا ما يقصد به تصديق مدعى الرسالة وان لم يكن خارقا للعادة اقول وفيه نظر لانه ينافى مامر فى شرائط المعجزة من ان خرق العادة شرط فيها ولانه لولا ذاك لكانت المعجزة غير دالة على الصدق

كالامور المعتادة فافهم

السابع ظهور المعجزات لا يدل على الصدق لا حتمال كونه من فعله لا من فعل الله لكونه ساحرا و قد اجمعتم على حقيته وتاثيره فى امر غريبة او بطلسم اختص هو بمعرفته والجواب ان التجويزات العقلية لاتنا فى العلم العادى كما فى المحسوسات فانا نجزم بان حصول الجسم المعين لا يمتنع فرض عدمه بل له مع الجزم بحصوله جزما مطابقا للواقع ثابتا لا يتطرق اليه شبهة للحس الشاهد به شهادة موثوقا بها والعادة احدطرق العلم كالحس فجازان يجزم كجزم الحس بشئى من جهة العادة مع امكان نقيضه فى نفسه وايضا قدبين فى موضعه ان لا موثر فى الوجود الاالله فالمعجزة لا يكون الافعلا له لا للمدعى والسحر ونحوه ان لم يبلغ حدا لا عجاز الذى هو كفلق البحر واحياء الموتىٰ وابراء الاكمه والابرص فظاهر انه لا يلتبس السحر بالمعجزة فلا اشكال وان بلغ حد الاعجاز فاما ان يكون بدون دعوى النبوة والتحدى فظاهر ايضا انه لا التباس او يكون مع ادعاء هما وحينئذ فلا بد من احد الا مرين ان لا يخلقه الله سبحانه على يده اوان يقدر غيره على معارضته والا كان تصديقا للكاذب وهو محال على الله تعالىٰ لكونه كذبا.

الثامن العلم بحصول المعجز لا يمكن لمن يشاهده الا بالتواتر وهو لا يفيد العلم فلا يحصل العلم بنبوة احد لمن لم يشاهد معجزته وانما لا يفيد التواتر العلم لجواز الكذب على كل واحد من اهل التواتر فكذا يجوز الكذب على الكل اذليس كذب الكل الا كذب كل واحد والجواب منع مساوات حكم الكل من حيث هو كل لحكم كل واحد لما يرى من قوة العشرة على تحريك مالا يقوى عليه كل احد.

التاسع قالو اتبعنا الشرايع فوجدنا ها مشتملة وعلى ما لا يوافق العقل والحكمة فعلمنا انها ليست من عندالله وذٰلك كا باحة ذبح الحيوان وايلامه لمنفعة الاكل وغيره وايجاب تحمل الجوع والعطش فى ايام معينة والمنع عن الملا ذالتى بها صلاح البدن وتكليف الافعال الشاقة وطى البوادى لزيارة بعض المواضع والوقوف ببعض والسعى فى بعض والطواف ببعض مع تماثلها ومضاهاة

المجانين والصبيان فى التعرى وكشف الراس والرمى لاالى مرمى وتقبيل حجر لا مزية له على سائر الاحجار وكتحريم النظر الى الحرة الشهواء دون الامة الحسناء والجواب بعد تسليم حكم العقل بالحسن والقبح ووجوب الغرض فى افعاله تعالى ان غايته عدم الوقوف على الحكمة في تلك الصور المذكورة ولا يلزم منه عدمها فى نفس الامر ولعل هناك مصلحة استاثر اللّٰه سبحانه بالعلم بهاوقد بيّنا من قبل ان وراء العقل طورا آخر ينفتح فيه عين اخرى يبصربها الغيب وما سيكون واموراخرى العقل معزول عنها كعزل قوة الحس عن مدركات التميز وساوردلهذا زيادة تحقيق فى اول المسلك الثانى ان شاء اللّٰه تعالىٰ

المسلک الثانی فی اثبات نبوة خاتم الانبیاء محمد بن المصطفیٰ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اعلم ان من الامور مالها خواص لا يدوربصر العقل حواليها اصلابل يكاد العقل يكذبها ويقضى استحالتها فلنقم البرهان على امكان تلك الامور بل على وجودها فنقول ان وزن دانق من الافيون سم قاتل لانه يجمد الدم فى العروق لفرط برودته والذى يدعى علم الطبية يزعم ان مايبرد من المركبات انما يبرد بعنصرى الماء والتراب فهما العنصران الباردان ومعلوم ان ارطالا من الماء والتراب لا يبلغ تبريدهما فى الباطن الىٰ هذا الحد فلو اخبر طبيعي بهذا ولم يجر به لقال هذا محال والدليل علىٰ استحالته ان فيه نارية وهوائية والنارية لا تزيده برودة فلو يقدر الكل ماء اوترابا لايوجب هذا الافراط فى التبريد واذا انضم اليه حاران فاولى بان لا يوجب ويقدر هذا برهانا واكثر براهين الفلاسفة فى الطبيعيات والالٰهيات مبنى على هذا الجنس فانهم تصوروا الامور على قدرما وجدوه وعقلوه ومالم يعقلوه قدروا استحالته وكذٰلك من لم يكن بالرويا الصادقه مالو فاوادعى مدعى انه عند زوال الحواس يعلم الغيب لا نكره المتصرفون بمثل هذه العقول ولو قيل لواحد هل يجوز ان يكون فى الدنيا شئى

هو مقدار حبة يوضع فی بلدة یا کل البلدة بجملتها ثم یأکل نفسه فلا یبقی شئی من البلدة وما فیها ولا یبقی هو فی نفسه لقال هذا محال وهو من جملة الخرافات وهذه حهالته النارو ینکر ها من لم یر النار اذا سمعها واکثر انکار احکام الشرائع وعجائب الأخرة من هذا القبیل فنقول للطبیعی قد اضطررت الی ان تقول فی الافیون خاصیة فی التبرید لیس علی قیاس المعقول بالطبیعة فلم لا یجوز ان یکون فی الاوضاع الشریعة من الخواص فی مداواة القلوب وتصفیتها مالا یدرك بالحکمة العقلیة بل لا یبصر ذلك الا بعین النبوة وقد اعترفوا بخواص هی اعجب من هذا فمما اوردوه فی کتبهم وهی من الخواص العجیبة المجربة فی معالجة الحامل التی عسر علیها الطلق هذا (۱) الشکل یکتب علی خرقتین لم یصبهما ماء وتضعهما تحت قدمیها وتنظر الیهما الحامل بعینها فیسری الولد الی الخروج فی الحال وقد اقروا امکان ذالك واوردوه فی عجائب الخواص وهو شکل فیه تسعة بیوت یرقم فیها رقوم مخصوصة یکون ما فی جدول واحد خمسة عشر مرة فی طول الشکل او عرضه علی التاریب فلیت شعری من یصدق ذلك لم لم یسع عقله للتصدیق بان تقدیر صلوٰة الصبح برکتین والظهر باربع والمغرب بثلث هی الخواص غیر معقولة بنظر الحکمة وسببها اختلاف هذه الاوقات وانما تدرك هذه الخواص بنور النبوة والعجب انا لو غیرنا العبارة الی عبارة المنجمین لا عترفوا باختلاف هذه الاوقات ورتبواله حججا فنقول الیس یختلف الحکم فی الطالع بان تکون الشمس فی وسط السماء اوفی الطالع اوفی الغارب قالوا بلی

۱. لم تکن هذه الاشکال موجودة فی هذه النسخة ونقلت من نسخة کندیان

٦	٧	٢
١	٥	٩
٨	٣	٣

٢	٩	۴
٧	٥	٣
٦	١	٨

د	ج	ح
ط	ه	ا
ب	ز	و

وایضا توجد هذه الاشکال فی المنقذمن الضلال للغزالی مع اختلاف یسیر وهو هذا :

ب	ط	د
ز	ه	ج
و	ا	ح

حتی بنوا علیٰ هذا تقویما تهم واختلاف المطالع وتفاوت الاٰجال والا عمار و لا فرق بین الزوال وبین کون الشمس فی وسط السماء ولا بین المغرب وبین کون الشمس فی الغارب فهل لتصدیقه سبب الا انه سمعه بعبارة منجم جرب کذبه مائة مرة فلا یزال یعاود تصدیقه حتی لو قال المنجم اذا کانت الشمس فی وسط السماء ونظر الیه الکواکب الفلانی فلبست ثوبا جدیدا فی ذٰلک الوقت قتلت فی ذٰلک الثواب فانه لا یلبس الثوب فی ذلک الوقت وربما یقاسی فیه البرد الشدید فلیت شعری من یسع عقله بقبول هذه البدایع ویضطر الی الاعتراف بانها خواص معرفتها معجزة بعض الانبیاء کیف ینکر مثل ذٰلک فیما یسمعه من قول بنی صادق موید بالمعجزات لم یعرف قط بالکذب ولم لا یسع الامکان لهذه الخواص فی اعداد الرکعات ورمی الجمار وعددار کان الحج وسائر تعبدات الشرع ولم نجد بینها وبین خواص الادویة والنجوم فرقا اصلا فان قال قدجربت شینا من النجوم وشینا من الطب فوجدت بعضه صادقا فتمکن فی نفسی تصدیقه وسقط عن قلبی استبعاده ونفرته وهذا لم اجربه فبم اعلم وجوده وتحققه وان اقررت بامکانه فاقول انک لا تقتصر علی تصدیق ماجر بته بل سمعت اخبار المجربین وقلد تهم فیه فاسمع اقوال الاولیاء فقد جربوا وشاهدوا الحق فی جمیع ما ورد به الشرع واسلک سبیلهم تدرک المشاهدة بعض ذٰلک علی انی اقول وان لم تجرب فیقضی عقلک بوجوب التصدیق والاتباع قطعاً فانا لو فرضنا رجلا بلغ وعقل ولم یجرب المرض وله والد مشفق حاذق بالطب یسمع دعواه معرفة الطب منذ عقل فجعل له والده دواءً وقال هذا یصلح لمرضک ویشفیک من سقمک فما ذا یقتضیه عقله وان کان الدواء مرّا کریه المذاق ان یتناول اوان یکذب ویقول انی لا اعقل مناسبة هذا الدواء لتحصیل الشفاء ولم اجربه فلا شک انک تستخفه ان فعل ذٰلک فان قلت فبم اعرف شفقة النبی صلے اللّٰه تعالیٰ علیه واله وسلم ومعرفة بهذا الطب فاقول فبم عرفت شفقة ابیک فان ذٰلک لیس امرا محسوسا بل عرفتها بقرائن احواله وشواهد اعماله فی مصادره وموارده علما ضروریا لاتتماری فیه ومن نظر فی اقوال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه واله وسلم وما ورد من الاخبار

فی اهتمامه بارشاد الخلق وتلطفه فی حق الناس بانواع الرفق واللطف الی تهذیب الاخلاق واصلاح ذات البین حصل له علم ضروری بان شفقته علی امته اعظم من شفقة الوالد علی ولده واذا نظر الی اعاجیب ما ظهر علیه من الافعال والی عجائب الغیب التی اخبر عنها فی القران علی لسانه وفی الاخبار والی ما ذکره فی اخر الزمان وظهور ذٰلك كما ذكره علم علما ضروریا انه بلغ الطور الذی وراء العقل وانفتحت له العین التی ینکشف بها الغیب والخواص والامور التی لا یدرکها العقل وهذا هو منهاج تحصیل العلم الضروری بصدق النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وعلیٰ اله واصحابه وبارك وسلم فجرّب وتامل القران وطالع الاخبار تعرف ذٰلك بالعیان كذاذكره الامام الغزالی رحمه اللّٰه تعالیٰ وقال ایضا فان وقع لك الشك فی شخص معین انه نبی ام لا فلا یحصل الیقین الا بمعرفة احواله اما بالمشاهدة اوبالتواتر والتسامع فانك اذا عرفت الطب اوالفقه یمکنك ان تعرف الفقهاء والاطباء بمشاهدة احوالهم وسماع اقوالهم وان لم تشاهدهم فلا تعجز عن معرفة كون الشافعی فقیها ودون جالینوس طبیبا معرفة بالحقیقة لابالتقلید بل بان تتعلم شیئا من الطب والفقه وتطالع كتبهما وتصانیفهما فیحصل لك علم ضروری بحالهما فكذٰلك اذا فهمت معنی النبوة فاكثر النظر فی القران والاخبار یحصل لك العلم الضروری بكونه صلی اللّٰه تعالی علیه واله وسلم علی اعلیٰ درجات النبوة واعضد ذٰلك بتجربة ما قاله فی العبادات وتاثیرها فی تصفیة القلوب وكیف صدق فی قوله "من عمل بما علم ورثه اللّٰه مالم یعلم" وكیف صدق فی قوله "من اعان ظالماً سلطه اللّٰه تعالیٰ علیه" وكیف صدق فی قوله "من اصبح وهمّه همٌّ واحد كفاه اللّٰه هموم الدنیا والاٰخرة" فاذا جرّبت ذٰلك فی الف والفین والاف حصل لك علم ضروری لاتتماری فیه فمن هذا الطریق اطلب الیقین بالنبوة وهو الایمان القوی العلمی واما الذوقی فهو كالمشاهدة والاخذ بالعدد لا توجد الافی طریق الصوفیة، هذا

وجوه اثبات النبوة

والعلماء اوردوا فی اثبات نبوة صلی اللّٰه تعالیٰ علیه واله وسلم وجوها. الاول

وهو العمدة عند جمهور العلماء انه صلى الله تعالى عليه واله وسلم ادعى النبوة وظهر المعجزة على يده۔ اما الاولى فمتواترة تواترا الحقة بالعيان والمشاهدة فلا مجال للانكار. واما الثانية فمعجزة القران وغيره اما ان القران معجز فلانه تحدى به ولم يعارض فكان معجزًا اما انه تحدى به فقد تواتر بحيث لم يبق فيه شبهة وايات التحدى فى القران كثيرة كقوله تعالى فَلْيَأْتُوا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهِ وقوله عزوجل فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ واما انه لم يعارض فلانه لما يعارض فلانه لما تحدى به ودعا الى الاتيان بسورة من مثله مصاقع البلغاء والفصحاء من عرب العرباء مع كثرتهم من حصى البطحاء واحرص الناس على اشاعة ما يبطل دعواه واشتهارهم بغاية العصبية والحمية الجاهلية وتهالكهم على المباهات والمبارات عجزوا عن الاتيان باقصر سورة من مثله حتى اثروا المقارعة بالسيوف على المعارضة بالحروف فلو قدروا على المعارضة لعارضوا ولو عارضوا التواتر الينا لتوافر الدواعى على نقله كقتل الخطيب على المنبر والعلم بجميع ذلك قطعى كسائر العاديات واما ان ما تحدى به ولم يعارض يكون معجزا فلما مرّ من بيان حقيقة المعجزة وشرائطها وفيه نظر اما اولا فبان يقال لعل التحدى لم يبلغ من هو قادر على المعارضة اولعله تركها مواضعة على المدعى ومواطاة معه فى اعلاء كلمة فينال من دولته حظا وافرا وا ما ثانيا فلعلهم استهانوا به اوّلا وظنوا ان دعوته مما لا يتم وخافوه اخرًا لشدة شوكته وكثرة اتباعه اوشغلهم ما يحتاجون اليه فى تقويم معيشتهم عن المعارضة واما ثالثا فلعله عورض ولم يظهر لمانع اوظهر ثم اخفاه اصحابه واتباعه عند استيلائهم وطمسوا اثاره حتى انمحى بالكلية والجواب الاجمالى مامر اولامن ان التجويزات العقلية لاتنافى العلم العادى كمافى المحسوسات والفصيلى اما عن الاول وهو قوله لعل التحدى لم يبلغ من هو قادر على المعارضة فبان يقال ان مدعى النبوة لما اتى بامر يصدق دعواه وتحدى به عجزوا عن معارضته علم بالضرورة العادية انه صادق فى دعواه والقدح فيه سفسطة ظاهرة واما عن الثانى وهو قوله لعلهم استهانوا به اوّلا وخافوا اخر افلانه يعلم بالضرورة العادية والوجدانية المبادرة الى معارضة من يدعى الانفراد بامر جليل فيه التفوق على اهل زمانه واستتباعهم

والحكم عليهم فی انفسهم وما لهم ويعلم بالضرورة ايضاعدم الاعراض عنها في مثل هذا الامر بحيث لا يتوجه نحوا لاتيان بالمعارضة اصلاوحينئذ فدلالته من جهة الصرفة واضحة فان النفوس اذا كانت مجبولة على ذلك كان صرفها منها امرا خارقا للعادة دالا على صدق المدعى وان كان ماتى به مقدور الغيره. واما عن الثالث وهو قوله لعله عورض ولم يظهر لمانع، فكما علم بالعادة وجوب المعارضة على تقدير القدرة علم بالعادة ايضا وجوب اظهار ها اذبه يتم المقصود، واحتمال المانع للبعض فی بعض الاوقات والا ماكن لا يوجب احتماله فی جميع الاوقات والا ماكن بل هذا معلوم الانتفاء بالضرورة العادية فلو وقعت معارضته لا ستحال عادة اخفائها، لامن اصحاب المدعى عند استيلائهم ولا من غير هم فاندفعت الاحتمالات كلها وثبتت الدلالة القطعية

وجوه اعجاز القرآن

واعلم ان المتكلمين اختلفوا فی وجه اعجاز القرآن فقيل هوما اشتمل عليه من النظم الغريب والا سلوب العجيب المخالف لنظم العرب ونثرهم فی اوائل السور والقصص واواخرها وفو اصل الآئی التی هی بمنزلة الاسجاع فی كلامهم فان هذه الامور وقعت فی القرآن على وجه لم يعهد فی كلامهم وكانوا عاجزين عنه وعليه بعض المعتزلة وقال اهل العربية والجاحظ من المعتزلة كونه فی الدرجة العالية من البلاغة التی لم يعهد مثلها فی تراكيبهم وتقاصر عنها درجات بلاغتهم فمن كان اعرف بالعربية وفنون بلاغتها كان اعرف باعجاز القرآن وقال القاضی الباقلانی هومجموع الامرين النظم الغريب وكونه فی الدرجة العالية من البلاغة وقيل هو اخباره عن الغيب نحو وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ اخبر عن غلبة الروم على الفرس فيما بين الثلث الى التسع وقد وقع كما اخبر وقيل وجه اعجازه عدم اختلافه وتنا قضه مع مافيه من الطول والا متدادو تمسكوا فی ذلك بقوله عزوجل وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا وقيل اعجازه بالصرفة على معنى ان العرب كانت قادرة على كلام مثل القرآن قبل

البعثة لكن اللّٰه صرفهم عن معارضته واختلفوا فی کیفیة الصرف وقال الاستاذ (١) منا والنظام من المعتزلة صرفهم مع قدرتهم وذلك بان صرف دواعيهم اليها مع کونهم مجبولين عليها خصوصًا عند توفرا لا سباب الداعية فی حقهم كالتصديع بالعجز والا ستنزال عن الرياسات والتکلیف بالانقياد وقال المرتضی من الشيعة بل سلبهم العلوم التی تحتاج اليها فی المعارضة

شبه القادحين فی اعجاز القران

اما الاول فلان وجه الاعجاز يجب ان يكون بينا لمن يستدل به عليه واختلافكم فيه دليل خفائه والجواب ان الاختلاف والخفاء وان وقع فی احاد الوجوه فلا اختلاف ولا خفاء فی ان مجموع القران بما فيه من البلاغة والنظم الغريب والاخبار عن الغيب واشتماله على الحكمة البالغة علما وعملا وعلى غيرها مما ذكر فی وجه الاعجاز معجزٌ وانما وقع الخلاف فی الوجه لا ختلاف الانظار ومبلغ اصحابها من العلم وليس اذا لم يكن معجزا بالنظر الى احد ما بيّنا بعينه يلزم ان لا يكون معجزا بجملتها ولا بواحد منها لا بعينه وكأيّن من بليغ يقدر على النظم اوالنثر ولا يقدر على الاخرو لا يلزم من القدرة على احد هما القدرة على الجميع وليس كل ماثبت لكل واحد يثبت للكل من حيث هو كل اقول لا يخفى ان هذا الجواب يقتضى ان يكون مجموع القران فقط معجزا لا مقدارا قصر سورة منه معجزا يضا وهو خلاف الواقع لان مقدارا قصر سورة منه معجز ايضا كمامر . فان قلت مراد المجيب ان مجموع القران معجز بمجموع ماذكر من وجوه الاعجاز وكل سورة منه معجز باحدى هذه الوجوه لا على التعيين قلت فحينئذ لا نيدفع ما قال المعترض من ان وجه الاعجاز وجب ان يكون بيّنا وعلى هذا التقدير يبقى وجه الاعجاز غير بيّن كما ترى - اللّٰهم الا ان يمنع وجوب كونه بيّنا ومتعينا ولا ولا يخفى على المنصف المتامل ان هذا المنع مكابرة صريحة فافهم .

---

(١) يعنى ابا اسحاق الاسفرائينى

واما الثانی فلان الصحابة اختلفوا فی بعض القران حتی قال ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه بان الفاتحة والمعوذتین لیست من القران مع انها اشهر سورها فلو کانت بلاغتها بلغت حدا لا عجاز لتمیزت به عن غیر القران ولم یختلفوا والجواب ان اختلاف الصحابة فی بعض سور القران المروية بالاحاد المفيدة للظن ومجموع القران منقول بالتواتر المفید للیقین فتلك الاحاد مما لا یلتفت الیه اصلا علی انا نقول انهم لم یختلفوا فی نزوله علی محمد صلی اللّٰہ تعالی علیه وعلی اله وصحبه وسلم ولا فی بلوغه فی البلاغة حدا لاعجاز بل فی مجرد کونه من القران وذٰلك لا یضرنا فیما نحن بصدره ۔

واما الثالث فلانهم کانوا عند جمع القران اذا اتی الواحد الغیر المشهور عندهم بالعدالة بالاٰیة لم یضعوها فی المصحف الا ببینة اویمین ولو کانت بلاغتها واصلة حدا لاعجاز لعرفوها بذٰلك ولم یحتاجوا فی وضعها فی المصحف الی عدالة ولا الی بیّنة او یمین والجواب ان اختلافهم فی موضعها من القران وفی التقدیم والتاخیر فیما بینها وبین الاٰیات الاخر لا فی کونها من القران فان النبی علیه الصلوة والسلام کان یواظب علی قراته فما اتی به الواحد کان متیقنا کونه من القران وطلب البینة والتحلیف انما کان لاجل الترتیب فلا اشکال وایضا عدم اعجاز الاٰیة والاٰیتین لا یضرنا فان المعجز منه لابد ان یکون مقدارا قصر سورة منه واقلها ثلث ایات ۔

واما الرابع فلکل صناعة حد معین یقف عنده ولا یتجاوزه ولا بدفی کل زمان من فائق قد فاق ابناء ها فلعل محمدا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه واله وسلم کان افصح اهل عصره فاتی بکلام عجز عن مثله اهل زمانه ولو کان ذالك معجزا لکان ماتی به کل من فاق اقرانه من صناعه معجز او هو ضروری البطلان والجواب ان المعجز یظهر فی کل زمان من جنس ما یغلب علی اهله ویبلغون فیه الغاية القسوی والدرجة العلیا فیقفون فیه علیه الحد المعتاد الذی یمکن للبشران یصل الیه حتی اذا شاهد واما هو خارج عن حد هٰذہ الصناعة علموا انه من عنداللّٰہ سبحانه ولو لم یکن الحال کذٰلك لم یتحقق عند القوم معجزة النبی وذٰلك کالسحر فی زمن

موسی علیه السلام ولما علم السحرة ان حدا لسحر تخییل وتو هیم لما لا ثبوت له حقیقة ثم راؤا ان العصا انقلب ثعبانا تلقف سحرهم الذی کانوا یافکونه علموا انه خارج من السحر وطوق البشر فامنو ابه واما فرعون فانه لقصوره فی هذه الصناعة ظن انه کبیر هم الذی یعلمهم السحر وکذ الطب فی زمن عیسی علیه السلام فانه کان غالبا فی اهله وکانوا قدتنا هوا فیه فیعلم الکامل فی بابه واعلمهم ان احیاء الموتی وابراء الاکمه والابرص خارج عن حدا لصناعة الطبیة بل هو من عند ... البلاغة بلغت فی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واله وسلم الی الدرجة ال... ...ان بها افتخارهم فیما بینهم حتی علقوا القصائد السبع بباب الکعبة تحد... ...رضتها وکتب السیر تشهد بذلک فلما اتی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وعلی اله وسلم بما عجز عن مثله جمیع البلغاء مع ما ظهر عنهم من کثرة المنازعة والتشاجر و انکار نبوته حتی ان منهم من مات علی کفره ومنهم من اسلم لوضوح نبوته عنده ومنهم من اسلم علی نفرة منه للاسلام ملتزما للذل والهوان کالمنافقین ومنهم من اشتغل بالمعارضته الرکیکة التی هی ضحکة للعقلاء کمعارضتهم بهذا الکلام : والزارعات زرعا فالحا صدات حصدا والطاحنات طحنا والطابخات طبخا فالاکلات اکلا ومنهم من عدل الی المحاربة والقتال وتعریض النفس والمال والاهل للدمار والهلاک فعلم ان ذلک من عند اللّٰه سبحانه قطعا .

واما الخامس فلان فیه اختلافا لفظا ومعنی وقد نفی عنه الاختلاف حیث قال وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۔ اما الاختلاف فی اللفظ فمثل کالصوف المنفوش بدل کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ومثل فامضو الی ذکر اللّٰه بدل فاسعوا ومثل فکانت کالحجارة ومثل ضربت علیهم المسکنة والذلة بدل الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ واما الاختلاف فی المعنی فنحو رَبَّنَا بَاعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا بصیغة الامر ونداء والثانی خبرو نحوهل یستطیع ربک بالغیبة وضم الباء وهل تستطیع ربک بالخطاب والاول استخبارٌ عن الرب والثانی عن حال عیسی علیهالسلام والجواب ان اختلاف المنقول احادًا مردود وما نقل منه تواتر فهو مما قال

الرسول صلى الله تعالیٰ علیه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم انزل القران على سبعة احرف كلها شاف كاف فلا يكان الاختلاف اللفظى والمعنوى قادحا فى اعجازه.

واما السادس فان فيه لحنا وتكرار ابلا فايدة اما اللحن فكقوله عزوجل ان هذان لساحران اما التكرار فلفظا كما فى سورة الرحمن ومعنى كقصة موسى وعيسى عليهما السلام والجواب اما عن الاول ان هذان لساحران قيل غلط من الكاتب فان ابا عمر وقرائان هٰذين وقيل ابقاء الالف فى التثنية والاسماء الستة فى الاحوال لغة لقبائل من العتب نحو قوله

ان اباها وابا اباهَا : لَقدْبَلَغافى الْمجدِ غَايتاهَا

وعلى هذه اللغة قرأ اهل المدينة والعراق فى هذه المواضع وقيل هو مخصوص بلفظ هذا فانه زيد فيه النون ولم يغير الالف ابقاء على حالها كما فعل مثل ذلك فى الذين حيث زيد فيه النون على لفظ الذى وابقى الياء على حالها فى الاحوال الثلث وذلك لانه خولف بين تثنية المعرب والمبنى كلمة هذا وبين جمع المعرب والمبنى فى كلمة الذى وقيل ضمير الشان مقدر ههنا واللام حينئذ تكون داخلة فى حيز المبتداء ولا باس به وان كان قليلا واما الجواب عن الثانى فلان للتكرار فوائد منها زيادة التقرير والمبالغة فى تحقيق المعنى ومنها اظهار القدرة على ايراد المعنى الواحد بعبارات مختلفةفى الايجاز والاطناب وهو احدى شعب البلاغة ومنها ان القصة الواحدة قد يشتمل على امور كثيرة فيذكرتارة ويقصد بها بعض تلك الامور قصدا وبعضها تبعا ويعكس اخرى واما سائر المعجزات فكانشقاق القمر وكلام الجمادات وحركتها ليه وكلام الحيوانات العجم واشباع الخلق الكثير من الطعام القليل ونبوع الماء من بين اصابعه واخباره بالغيب وامثال ذلك كثيرة لايمكن احصائها فهذه المعجزات وان لم يتواتر كل واحد منها فالقدر المشترك بينها وهو ثبوت المعجزة متواتر بلا شبهة كشجاعة على وسخاوة حاتم وهو كاف لنا فى اثبات النبوة.

الوجه الثانى فى وجوه اثبات نبوته صلى الله عليه واله وسلم وقد ارتضاه

الجاحظ من المعتزلة والغزالی منا کما یفهم من کلامه المذکور سابقا الاستدلال باحواله قبل النبوه وحال الدعوة وبعد تما مها واخلاقه العظیمة واحکامه الحکیمة واقدامه حیث یحجم الابطال وذلک انه علیه الصلوة والسلام لم یکذب قط لا فی مهمات الدین ولا فی مهمات الدنیا ولو کذب مرة لاجتهد اعداؤه فی تشهیره ولم یقدم علی فعل قبیح لا قبل النبوة ولا بعدها وکان فی غایة الفصاحة کما قال اوتیت جوامع الکلم مع کونه امیا وقد تحمل فی تبلیغ الرسالة انواع المشقات حتی قال ما اوذی نبی مثل ما اوذیت وصبر علیها بلا فتور فی عزیمته ولما استولی علی الاعداء وبلغ الرتبة الرفیعة فی نفاذ امره فی الاموال والانفس لم یتغیر عما کان علیه بل بقی من اول عمره الی اخره علی طریقة واحدة مرضیة وکان فی غایة الشفقة علی امته حتی خوطب بقوله فلا تذْهبْ نفْسک علیْهِمْ حسراتٍ وقوله فلعلّک باخعٌ نفسک علیٰ اٰثارِهِمْ وفی غایة السخاوة حتی عوتب بقوله وَلا تبْسُطْها کلَّ البسط وکان عدیم الالتفات الی زخارف الدنیا حتی ان قریشا عرضوا علیه المال والزوجة والریاسة حتی یترک دعواه فلم یلتفت الیه وکان مع الفقراء والمساکین فی غایة التواضع ومع الاغنیاء وارباب الثروة فی غایة الترفع وانه علیه الصلوة والسلام لم یفر قط من اعدائه وان عظم الخوف مثل یوم احد ویوم الاحزاب وذالک یدل علی قوة قلبه وشهامة جنانه ولو لا ثقته بعصمة اللّٰه تعالی ایاه کما وعده بقوله واللّٰهُ یعْصمُکَ من النّاس لا متنع ذلک

عادة ولم یتلوّن حاله علیه السلام وقد تلوّنت به الاحوال فمن تتبعها وامثا لها علم ان کل واحد منها وان لم یدل علی النبوة لان امتیاز شخص بمزید فضل عن سائر الاشخاص لایدل علی کونه نبیا لکن مجموعها لا یحصل الا للانبیاء علیهم السلام قطعا فاجتماع هذه الامور فی ذاته علیه الصلوة و السلام من اعظم الدلائل علی کونه نبیاً۔

الوجه الثالث من تلک الوجوه و قد اختاره الامام الرازی انه علیه الصلوة و السلام ادعی بین قوم لا کتاب لهم ولا حکمة فیهم بل کانوا معرضین عن الحق متعکفین اما علی عبارة الاوثان کمشرکی العرب واما علی دین التشبیه و صنعة

التزویر و ترویج الاکاذیب المفتریات کالیهود و اما علی عبادة الالهین و نکاح المحارم کالمجوس و اما علی القول بالاب و الابن و التثلیث کالنصاریٰ. انی بعثت من عند الله تعالیٰ بالکتاب المنیر و الحکمة الباهرة لاتمم مکارم الاخلاق و اکمّل الناس فی قوتهم العلمیة بالعقائد الحقة و العملیة بالاعمال الصالحة و انوّر العالم بالایمان و العمل الصلح ففعل زلٰك و اظهر دینه علی الادیان کلها کما وعده سبحانه فاضمحلت تلك الادیان الزائفه و زالت المقالة الفاسدة و اشرقت شموس التوحید و اقمار التنزیه فی اقطار الاٰفاق و لامعنیٰ للنبوة الاذلٰك فان النبی هو الذی یکمل النفوس البشریة و یعالج الامراض القلبیة التی هی غالبة علی اکثر النفوس. فلابدلهم من طبیب یعالجهم و لمّا کان تاثیر دعوة محمد صلی الله تعالیٰ علیه و علیٰ اله و اصحابه و بارك و سلم فی علاج القلوب المریضة و ازالة ظلماتها اکمل و اتم وجب القطع بکونه بنیا هو افضل الانبیاء و الرسل، قال الامام (۱) فی المطالب العالیة و هٰذا برهان ظاهر من برهان اللمّ. فانا بحثنا عن حقیقة النبوة و بینا ان تلك الماهیة لم تحصل لا حدکما حصلت له علیه الصلوٰة و السلام فیکون افضل مما عداه. و اما اثباتها بالمعجزة فمن برهان الا نّ وهذا الوجه قریب من طریق الحکماء فی اثبات النبوة اذحاصله ان الناس فی معاشهم و معادهم یحتاجو ن الی مؤید من عند الله یضع لهم قانونا یسعد هم فی الدارین

تمت المقالة الاولیٰ.

المقالة الثانیة فی ذم الفلاسفة و بیان الضرر الحاصل من ممارسة علومهم و مطالعة کتبهم.

۱. ای الامام الرازی

''اور اگر ان عجیب افعال پر غور کریں جو آپ ﷺ سے ظاہر ہوئے اور غیب کے عجائب پر غور کرے جن کے متعلق قرآن مجید میں آپ ﷺ کی زبان کے ذریعے خبر دی گئی، اور ان خبروں پر غور کریں جو آخری زمانے کے متعلق دی گئی ہیں اور جس طرح آپ ﷺ نے ذکر کیا اسی طرح ان کے وقوع پر غور کریں تو اسے لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہوگا کہ آپ ﷺ اس درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں جو عقل سے ماوراء ہے، اور اس میں وہ نظر کھل جاتی ہے جس سے غیب اور وہ خواص اور امور منکشف ہو جاتے ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی اور نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ و بارک وسلم کے صدق کے علمِ ضروری کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے پس تم تجربہ کرو اور قرآن کریم میں غور کرو۔ اور اخبار کا مطالعہ کرو تو تم کو ظاہری طور پر معلوم ہو جائے گا''۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت کے ساتھ بھیجا۔ اور ان (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایسی خاص کتاب (قرآن مجید) نازل فرمائی جس میں ذرا بھی کجی (پیچیدگی) نہیں رکھی بل کہ یہ سیدھی اور سلیس ہے تا کہ وہ لوگوں کو سخت عذاب سے ڈرائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا ہے اور مؤمنوں کو ان کے نیک اعمال کی وجہ سے (اس بات کی) خوشخبری سنائے کہ ان کے لئے (اللہ تعالیٰ کے ہاں) اچھا بدلہ یعنی بہشت ہے پس اس کے ذریعے اپنے بندوں کے لئے ان کے دین کو کامل کر دیا اور ان پر اپنی نعمت پوری کر دی اور ان کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر انبیاء و رسل کا سلسلہ ختم کر دیا، جو مخلوقات کی طرف واضح آیات اور بڑے بڑے معجزات کے ساتھ بھیجے جاتے رہے تا کہ لوگ اپنے آپ کو ان انبیاء علیہم السلام کے بالکل حوالہ کر دیں، جس طرح اندھے اپنے آپ کو رہنماؤں کے اور متحیر مریض اپنے آپ کو مشفق اطبا کے حوالے کر دیتے ہیں، اور ان سے وہ فوائد و

منافع حاصل کرتے ہیں جن سے عقل حیران ہے۔

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور تمام رسولوں سے معزز اور ملّت کے اعتبار سے سب سے معتدل اور دین وشرع کے اعتبار سے سب سے زیادہ درست بنایا اور جن کے اعتدالِ حال اور مرتبہ کمال کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے قول

مَازَغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغیٰ لَقَدْرَایٰ مِنْ اٰیَاتِ رَبِّهِ الْکُبْریٰ۔

یعنی (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ حد سے بڑھی اور آپؐ نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے) کے ذریعہ خبر دی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام مخلوقات کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور توحید کی دعوت دیں، ان کو ان کی قوتِ علمیہ وعملیہ میں کامل کریں اور ان کے بیمار دلوں کا علاج کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی رحمتِ کاملہ نازل فرمائے جس کے آپ اہل ہیں، اور آپؐ کے آل واصحابؓ پر جو کہ ہدایت کے ستارے ہیں اور تاریکی کے چراغ ہیں جب تک کہ روشنی اور تاریکیاں ایک دوسرے کے بعد آئیں اور بہت زیادہ سلامتی نازل فرمائے۔ آمین

بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ (جو ولی اور مددگار ہے، اس) کی رحمت کا محتاج احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین (اللہ سبحانہ ان کو نامناسب اور عیب دار کرنے والے امور سے محفوظ رکھے) کہتا ہے کہ جب میں نے اس زمانے میں دیکھا (کہ اصل نبوت کے متعلق لوگوں کے اعتقاد میں پھر ایک شخص معین کی نبوّت کے ثبوت اور تحقق میں اور نبوت کے مشروع کردہ امور پر عمل میں فتور آ گیا ہے) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہو گیا یہاں تک کہ ہمارے زمانے کے ایک جابر حکمراں نے بہت سے علماء کو ناقابلِ ذکر سختیاں اور تکالیف پہنچائیں صرف اس لئے کہ وہ علماء شرعی احکام کی پیروی اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھنے میں پختہ تھے۔ چناں چہ بہت سے علمائے اہل اسلام کو قتل کرا دیا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے اپنی مجلس میں حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی تصریح ترک کردی اور جس کا یہ اسم شریف رکھا گیا تھا اس کے نام کو بدل کر دوسرا نام رکھ دیا، گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا، حال آں کہ یہ، ہندوستان میں بڑے شعائر اسلام میں سے ہے۔

مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کردیئے۔ (لیکن) کفار کی عبادت گاہوں اور ان کے رسوم، پوجا پاٹ کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔

مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اس کی علامتیں باطل قرار دے دیں اور کفار کے رسوم اور ان کے مذاہبِ باطلہ رائج کیئے، حتیٰ کہ کفارِ ہند کے احکام شائع کیئے اور ان کو ان کی اصلی زبان (سنسکرت) سے فارسی زبان میں منتقل کیا، تا کہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں۔

جب میں نے جان لیا کہ شک اور انکار کا مرض وسیع ہوگیا ہے یہاں تک کہ علاج کرنے والے بھی اس مرض میں مبتلا ہوگئے ہیں اور مخلوق ہلاکت کے قریب ہوگئی ہے تو میں نے لوگوں کے افراد کے عقیدوں کی جستجو کی اور ان سے ان کے شبہات دریافت کیئے اور ان کے راز ہائے دروں اور عقائد کی کرید کی تو ان کے فتورِ اعتقاد اور ضعفِ ایمان کی وجہ، عہدِ نبوت کی دوری، علم فلسفہ کی مشغولیت اور حکمائے ہند کی کتابوں کے سوا کوئی سبب نہ پایا۔

نیز میں نے بعض لوگوں سے مناظرہ کیا جنہوں نے علمِ فلسفہ پڑھا تھا اور کافروں کی کتابوں سے بہرہ یاب ہوکر فضل وفضیلت کے مدعی ہوگئے تھے اور انہوں نے لوگوں کو گم راہ کیا اور اصل نبوت کے تحقق اور ایک خاص شخص کے لئے اس کے ثبوت میں خود بھی گم راہ ہوئے اور یہاں تک کہنے لگے کہ نبوت کا حاصل حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ خلق کے ظاہری حالات کی اصلاح ہے اور عوام کی شہوات میں آزادروی، باہمی نزاع اور اختلاف سے محفوظ رکھنا ہے اور اس کو نجات اخرویہ سے کوئی تعلق نہیں۔ بل کہ اس کا تعلق صرف تہذیب اخلاق اور قلبی اعمال کے ان فضائل کی تحصیل سے ہے جنہیں حکما نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اس کو کماحقہ بیان کیا ہے۔ پھر اپنے قول کی تائید میں یہ دلیل پیش کی کہ ان امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور منجیات کے حصہ کو نماز روزہ اور دیگر عبادات (جو فقہ میں بیان کی گئی ہیں) کا قسیم یعنی مقابل ٹھہرایا ہے۔ اس لئے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ (یعنی امام غزالیؒ) حکماء سے اتفاق کرتے ہیں اور یہ کہ جس طرح عباداتِ بدنیہ ان (امام غزالیؒ) کے نزدیک نجات دلانے والے نہیں ہیں اسی طرح حکماء کے نزدیک بھی نجات دلانے والے نہیں ہیں،

پھر کہا کہ جس شخص کو نبی کی دعوت پہنچی لیکن بُعد عہد، اور آیات ومعجزات کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ان نبی کی نبوت اس کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اس کے لئے نبی

پر ایمان لانا واجب نہیں ہے جیسا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے اس شخص کا حکم ہے جس کو دعوت نہ پہنچی ہو، ان دونوں میں فرق کرنا سینہ زوری اور زبردستی ہے۔

تو میں کہتا ہوں کی حکمتِ ازلیہ اور عنایتِ الٰہیہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی مقتضی ہے تاکہ نفوش بشریہ کی تکمیل اور قلبی امراض کا علاج کریں۔ اور یہ اس کے بغیر میسر نہیں ہوسکتا کہ وہ نافرمانوں کو ڈرانے والے اور فرمانبرداروں کی خوشخبری سنانے والے ہوں اور اخروی عذاب و ثواب کی خبر دینے والے ہوں، کیوں کہ ہر نفس پر اس کے خواہشات کی طرف شوق کو غالب کیا گیا اس لئے وہ معصیت اور رذائل اعمال کی تکمیل کو سبب سعادت و نجات، دارین سمجھ کر متوجہ ہوتا ہے حال آں کہ نجاتِ اخروی اور سعادتِ ابدی ہی بعثت سے مطلوب ہے اس لئے کہ دنیا کی پونجی کم ہے، لیکن جہاں تک حکماء کا تعلق ہے انہوں نے جب اپنے باطل امور کو رائج کرنا چاہا تو اس کے ساتھ ان چیزوں کی آمیزش کردی جو کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ کتابوں سے اور ان کے اقوال اور ان کے کامل متبعین کے اقوال سے چرائی تھیں۔ یعنی تہذیبِ اخلاق کا بیان، اور ان اعمالِ صالحہ کی تحصیل جو کہ باطن سے متعلق ہیں اور ان لوگوں نے اس کو ایک مستقل علم کی صورت میں تدوین کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو، اور امام محقق حجۃ الاسلام نے تو اس کو عبادات کی قسیم صرف اس وجہ سے بنایا ہے کہ فقہا نے اس کو کتبِ فقہ میں صرف تبعاً اور ضمنی طور پر بیان کیا ہے اور جیسا کہ بیان کرنا چاہئے تھا ویسا بیان نہیں کیا۔ اس لئے کہ ان کی اصلی غرض ظاہر اعمال سے متعلق ہے اور یہ لوگ ظاہر پر حکم لگاتے ہیں قلوب اور باطن کو چیر کر نہیں دیکھتے بل کہ اس کو علمائے طریقت اور سلوک نے بیان کیا ہے، اس لئے امام غزالیؒ نے اس شریعت کو جو ظاہر سے متعلق ہے اور طریقت کو جو باطن سے متعلق ہے جمع کردیا۔ اور اپنی کتاب کو متعلق اور مقصد کے اعتبار سے تقسیم کیا اور اس قسم کا نام منجی ہی رکھا۔ گو عبادات میں انہوں نے ذکر کیا کہ یہ بھی منجی (نجات دلانے والے) ہیں۔ اس لئے کہ عبادات کی ادائیگی سے نجات کا ہونا فقہ سے معلوم ہوا۔ اور اس دوسری قسم کی نجات اس سے معلوم نہیں ہوتی، پس غور کرو۔ اور اگر اب بھی تمہیں شکِ باقی ہو تو ان کے اس کلام میں غور کرو جو میں نے اس رسالہ میں بیان کئے ہیں تاکہ تمہیں اس شبہ سے بالکل نجات مل جائے۔

نیز میں کہتا ہوں کہ تم نے جالینوس اور سیبویہ کو نہیں دیکھا۔ پھر کس طرح تم نے جانا کہ

جالینوس طبیب تھا اور سیبویہ نحوی تھا۔

اگر تم یہ جواب دو کہ میں نے علمِ طب کی حقیقت معلوم کی اور میں نے اس کتابوں اور تصانیف کا مطالعہ کیا اور اس کے اقوال سنے، تو دیکھا کہ وہ امراض کے علاج اور بیماریوں کے ازالہ کی خبر دیتے ہیں۔ اس سے مجھے اس کی حالت کا علم ضروری حاصل ہوا۔ اسی طرح میں نے نحو کا علم حاصل کیا اور سیبویہ کی کتابیں دیکھیں اس کے اقوال سنے تو اس سے مجھے علم ضروری حاصل ہوا کہ وہ نحوی ہے۔

اسی طرح میں کہوں گا کہ جب تم نے نبوت کے معنیٰ جان لیے تو قرآن اور احادیث میں بہت زیادہ غور کرو، اس سے تمہیں اس کا علم ضروری حاصل ہو جائے گا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں اور زمانہ کی دوری اس تصدیق میں مُخل نہیں ہے۔ جس طرح سابق تصدیق میں مخل نہیں ہے اس لئے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام اقوال وافعال، اعمال صالحہ وعقائدِ حقہ کے ذریعہ قوتِ علمیہ وعملیہ میں نفوس بشریہ کی تکمیل کی خبر دیتے ہیں اور بیمار دلوں کے علاج اور اس کی تاریکیوں کے ازالہ کی خبر دیتے ہیں، اور نبوت کے معنیٰ اس کے سوا کچھ نہیں۔

باقی رہا پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والا جس کو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نہ آپ ﷺ کے اقوال سنے ہوں اور نہ آپؐ کے حالات معلوم ہوں تو اس کے لئے آپ کی نبوت کی تصدیق ممکن نہیں اور نہ اس کے لئے یہ آسانی ہے کہ آپ ﷺ کے بھیجے جانے کا اسے علم ہو، گویا انبیاء اس کے حق میں مبعوث نہیں کئے گئے اس لئے وہ معذور ہوگا اور آپ پر ایمان لانے کا مکلف نہ ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ''ہم عذاب کرنے والے نہیں یہاں تک کہ ہم رسول نہ بھیجیں''۔

جب میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور میرے سینے میں جم گئی کہ میں ان کے لئے ایسی تقریر کروں جو ان کے شکوک دور کردے، اور ان کے لئے ایسی بات لکھوں جو ان کے شبہ کو زائل کردے کیوں کہ جب میں نے دیکھا کہ یہ میری ذات پر ایک حق واجب ہے اور ایک لازمی قرض ہے جو بغیر ادائیگی کے ساقط نہیں ہوتا تو میں نے ایک رسالہ کی تالیف کی اور اصل نبوت کا مطلب ثابت کرنے، پھر خاتم الرسل (علیہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التحیات اکملہا) کے حق میں اس کے ثبوت و تحقق اور منکرین اور اس کی نفی کرنے والوں کے شبہات کی تردید، اور فلسفہ کی مذمت اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ضرر حاصل ہوتا ہے اس کے بیان کرنے کے

لئے ایک مقالہ دلائل و براہین کے ساتھ لکھا جو میں نے (اس) قوم کی کتابوں سے اخذ کئے اور اس پر اضافہ اور الحاق کیا، جو میرے درماندہ دل پر، اللہ ملک جلیل کی مدد سے ظاہر ہوا۔ پس میں کہتا ہوں کہ یہ رسالہ ایک مقدمہ اور دو مقالوں پر مرتبہ ہے اور مقدمہ میں دو بحثیں ہیں۔

پہلی بحث نبوت کے معنیٰ کی تحقیق میں

تم جان لو کہ متکلمین کے نزدیک نبی وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ ہم نے تم کو فلاں قوم کی طرف یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا، یا تم ان کو میری طرف سے پہنچادو، یا اسی قسم کے الفاظ ہوں جو اس معنیٰ کا فائدہ دیتے ہوں مثلاً یہ کہ ’میں نے تم کو ان لوگوں کی طرف بھیجا‘‘ اور’’ان کو خبر دے دو‘‘ اور اس ارسال میں کوئی شرط اور نہ ذاتی استعداد کی شرط ہے جیسا کہ حکماء کا گمان ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اختیار کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہم نہ ہو کہ متکلمین نے نبی کے لئے معجزے کی بھی شرط قرار دی ہے اور اس کو نبی کے خواص میں سے شمار کیا ہے کہ جن کے ذریعہ وہ غیر سے ممتاز ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک معجزہ نبی ہونے کے علم کے لئے شرط ہے نہ کہ نبی ہونے کے لئے۔ اور امتیاز سے مراد امتیازِ علمی ہے امتیازِ ذاتی نہیں۔ پس سمجھو۔

اور جہاں تک فلاسفہ کا تعلق ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نبی وہ ہے جس میں تین خواص جمع ہوں جن کے ذریعے وہ دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

۱۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو ہونے والے اور گزرے ہوئے غیبی امور کی اطلاع ہو اور مستقبل کی بھی اطلاع ہو۔ ہم کہیں گے کہ اس بات پر ہم اور تم دونوں متفق ہیں کہ نبی پر یہ واجب نہیں کہ وہ تمام مغیبات سے واقف ہو، اور بعض مغیبات سے واقف ہونا نبی کے ساتھ مخصوص نہیں، جیسا کہ تم ریاضت کرنے والوں، مریضوں اور سونے والوں کے لئے جائز قرار دیتے ہو، تو اس صورت میں امتیاز نہیں ہوسکتا۔ میں کہتا ہوں کہ شاید ان کی مراد یہ ہو کہ اکثر مغیبات سے واقف ہو جس کا علم عادۃً نہ ہوتا ہو، اور خارقِ عادت ہو اور یہ مجہول نہیں بل کہ عادۃً اور عرفاً معلوم

ہے۔ باقی رہا ایک دو مرتبہ غیب پر مطلع ہو جانا اور اس کی خبر دینا جب کہ یہ چیز اس حد تک بار بار پیش نہ آئے کہ حد اعجاز کو پہنچ جائے تو یہ خارقِ عادت نہیں، پس اس صورت میں نبی غیر نبی سے ممتاز ہو۔ پس سمجھو۔

تم جان لو کہ متکلمین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ انبیا علیہم السلام غیب کو اللہ تعالیٰ کے بتانے کی وجہ سے جانتے ہیں لیکن اس کو شرط قرار دینا باطل ہے، اسی طرح وہ سبب بھی قابلِ رد ہے جو فلاسفہ نے اطلاع کے لئے بیان کیا ہے۔ یہ اہلِ اسلام کے اصول کے مناسب نہیں ہے۔ ایک چیز باقی رہی وہ یہ کہ اس تقدیر پر مغیبات سے واقف ہونا دوسری خاصیت میں داخل ہوگا۔ اس لئے کہ وہ ان امور غیبیہ میں سے ہے جو کہ عادت کے خلاف ہیں۔ چناں چہ ان کے علیحدہ بیان کرنے کی کوئی مناسب وجہ ظاہر نہیں۔ پس غور کرو۔

اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس سے وہ افعال ظاہر ہوں جو خارق عادت ہوں، اس وجہ سے کہ عالم عناصر کا ہیولیٰ اس کا مطیع اور اس کے تصرفات کا تابع ہوتا ہے جس طرح بدن اپنے نفس کا تابع ہوتا ہے،

چناں چہ یہ بعید نہیں کہ نبی کا نفس اس قدر قوی ہو کہ اپنے ارادے اور تصرفات کے مطابق ہیولیٰ عنصریہ میں مؤثر ہو۔ یہاں تک کہ اس کے ارادے سے زمین میں ہوائیں، زلزلے، آتش زدگی، غرقابی، ظالموں کی ہلاکت اور فاسد شہروں کی تباہی ظاہر ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اجسام میں نفوس کی تاثیر پر مبنی ہے اور اپنے مقام پر یہ بیان ہو چکا ہے کہ وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مؤثر نہیں۔ نیز خارق عادت عجیب امور کا ظاہر ہونا نبی کے ساتھ مخصوص نہیں جیسا کہ تم نے اس کا اعتراف کیا ہے، تو پھر غیر نبی اور نبی میں ہم کس طرح امتیاز کر سکتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ فلاسفہ اگر چہ غیر انبیاء سے بھی عجیب امور کے ظاہر ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن وہ اس کے مکرر ہونے کو اور خارق عادت کے حد اعجاز تک پہنچنے کو جائز نہیں قرار دیتے جیسا کہ ان کی عبارتوں سے سمجھ میں آتا ہے تو اس وقت نبی اور غیر نبی کی تمیز ہو جائے گی، کہ نبی سے وہ عجیب امور ظاہر ہوں گے، جو خارق عادت ہوں اور یہ امور غیر نبی سے ظاہر نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال سے زیادہ باخبر ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ فرشتوں کو محسوس صورتوں میں دیکھے اور ان کے کلام کو سنے جب

کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آئیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ان (فلاسفہ) کے مذہب اور اعتقاد کے موافق نہیں ہے، بل کہ یہ تو ان (فلاسفہ) کے اعتقاد کے متعلق لوگوں کو اشتباہ میں ڈالنا اور اس عقیدہ کی برائی پر ایسی عبارت کے ذریعہ پردہ ڈالنا ہے جس کے معنی کے وہ خود قائل نہیں۔ کیوں کہ وہ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں کہ فرشتے نظر آتے ہیں، بل کہ ملائکہ ان کے نزدیک یا تو نفوس ہیں جو اپنی ذات کے اعتبار سے مجرد ہیں اور اجرام افلاک کے ساتھ متعلق ہیں اور ان کو ملائکہ سماویہ کہا جاتا ہے، یا ذاتاً و فعلاً عقول مجردہ ہیں اور انہیں ملاءِ اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ اور ان کا کوئی کلام نہیں کہ سنا جائے۔ اس لئے کہ یہ اجسام کے خواص میں سے ہے، اس بناء پر کہ حروف و اصوات ان کے نزدیک، وہ امور ہیں جو متموج ہوا کو عارض ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ شاید فلاسفہ نے مجردات کے نظر آنے اور ان کا کلام سننے کو اس وقت ممکن قرار دیا ہے جب کہ وہ کسی صورت میں اور کسی جسم کے ساتھ نہ ہوں۔ اور چوں کہ یہ جائز ہے کہ وہ صورتوں میں متمثل ہوں اور اجسام کے ساتھ ظاہر ہوں تو اس صورت میں دیکھنے کا تعلق ان سے ہو جائے گا اور ان کے کلام کا سننا بھی ممکن ہوگا کیوں کہ ہر مرتبے کے لئے جواز اور عدم جواز کے اعتبار سے حکم الگ الگ ہے اور جب یہ اپنے مراتب عالیہ سے اتر آئے اور تنزل کا لباس پہن لیا تو انہوں نے اس مرتبہ کے احکام کو اختیار کر لیا۔ اور اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ پس سمجھو۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

دوسری بحث معجزے کے بیان میں

معجزے سے ہمارے نزدیک مراد وہ چیز ہے جس سے اس شخص کی صداقت کا اظہار مقصود ہو جو اس کا دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور اس کے چند شرائط ہیں:

الف۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو، کیوں کہ تصدیق اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ اس کی طرف سے ہو۔

ب۔ یہ کہ خارق عادت ہو۔ کیوں کہ جو چیز معتاد ہے مثلاً روزانہ آفتاب کا طلوع ہونا، اور ہر بہار میں پھولوں کا ظاہر ہونا، یہ صدق پر دلالت نہیں کرتے جیسا کہ تم کہتے ہو۔

ج۔ یہ کہ اس کا معارضہ دشوار ہو، اس لئے کہ یہی اعجاز کی حقیقت ہے۔

د۔ یہ کہ مدعی نبوت کے ہاتھوں ظاہر ہو، تاکہ معلوم ہو کہ یہ اس کی تصدیق ہے۔

ہ۔ یہ کہ دعوے کے موافق ہو۔ چناں چہ اگر کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں لیکن اس نے کوئی دوسرا کام خارق عادت کیا مثلاً پہاڑ کا لٹکانا، تو وہ اس کے صدق پر دلالت نہیں کرے گا کیوں کہ اس کی حیثیت تصدیق خداوندی کی نہیں ہے۔

و۔ یہ کہ جس کے معجزہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور معجزے کے طور پیش کیا ہو وہ اس کو جھٹلانے والا نہ ہو۔ چناں چہ اگر کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ یہ سوسمار (گوہ) بولے گا اور وہ سوسمار کہہ دے کہ یہ جھوٹا ہے تو اس سے اس کا سچا ہونا معلوم نہ ہوگا بل کہ اس کے جھوٹے ہونے کا اعتقاد اور بڑھ جائے گا، اس لئے کہ نفسِ خارق ہے اس کی تکذیب کرنے والا ہے۔

ز۔ یہ کہ دعوے پر مقدم نہ ہو اس لئے کہ دعوے سے پہلے تصدیق عقل میں نہیں آتی۔ چناں چہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارے میں کلام فرمانا اور خشک درخت سے تر و تازہ کھجور کا گرنا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ چاک کیا جانا اور آپؐ کے قلب کا دھویا جانا، بادل کا سایہ فگن ہونا، پتھروں اور ٹیلوں کا آپ کو سلام کرنا، یہ اس قسم کے امور ہیں جو دعوائے نبوت سے پہلے ہوئے ہیں، اس لئے یہ معجزات نہیں ہیں بل کہ یہ کرامات ہیں اور اس صورت میں ان چیزوں کو ارہاص یا تاسیس نبوت کہتے ہیں۔

اور جو معجزہ کہ دعوے سے متاخر ہو تو یا تو اس کے تأخر کی مدت اتنی تھوڑی ہے کہ اتنا تأخر عادۃً ہوتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے سچے ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر اس کے تاخر کی مدت بہت زیادہ ہے مثلاً یہ کہنا کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ فلاں چیز ایک مہینے کے بعد ظاہر ہوگی اور ویسی ہی ظاہر ہوگئی تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ معجزہ ہے اور ثبوت نبوت کی دلیل ہے، لیکن اس کی متابعت کی تکلیف اس وقت تک نہیں دی جائے گی جب تک کہ وہ موعود (جس کا وعدہ کیا گیا ہے) ظاہر نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا معجزہ ہونا معلوم ہو۔ اور یہ اس وقت معلوم ہوگا جب کہ وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کا وعدہ کیا ہے۔

باقی رہی مدعی نبوت کے سچے ہونے پر معجزے کی دلالت کی کیفیت تو اس کے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دلالت محض دلالتِ عقلی نہیں ہے جس طرح کہ فعل کی دلالت فاعل کے وجود پر، اور اس کے محکم اور متقن ہونے کی دلالت اس پر ہے کہ جس سے یہ صادر ہوا ہے وہ عالم ہے۔ کیوں کہ ادلۂ عقلیہ اپنے مدلولات کے ساتھ بذاتِ خود ربط رکھتی ہیں۔ اور یہ فرض کر لینا جائز نہیں

کہ وہ اس پر دلالت کرنے والا نہیں۔ حال آں کہ معجزہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ آسمانوں کا پھٹنا، ستاروں کا جھڑنا۔ اور پہاڑوں کا ٹکڑے ٹکڑے ہوجانا، دنیا کے خاتمہ اور قیامِ قیامت کے وقت وقوع میں آئے گا اور اس وقت ارسال نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح اولیاء کے ہاتھوں پر کرامات ظاہر ہوتے ہیں بغیر اس کے کہ مدعیِ نبوت کے صدق پر دلالت کرے، اور نہ دلالت سمعیہ ہے کیوں کہ یہ صدق نبی پر موقوف ہے پس دور لازم آئے گا، بل کہ دلالتِ عادیہ ہے۔ سید سند نے شرح مواقف میں اسی طرح تحقیق کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی غلطی سے محفوظ رکھتا ہے اور اسی کی جانب سے توفیق ملتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تحدی اور طلب معارضہ کی تصریح اگر چہ جمہور کے نزدیک معجزے کے لئے شرط نہیں ہے لیکن ضمنی طور پر قرائنِ احوال سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ تحدی ان امور میں سے ہے جو معجزہ میں سب کے نزدیک لازمی ہے اور اس کے بغیر وہ معجزہ نہیں ہوسکتا پس ایسی باتوں کے متعلق خبر دینا جس کا وقوع دنیا کے خاتمہ اور قیامِ قیامت کے وقت ہوگا وہ معجزہ نہیں ہوگا۔

اس لئے کہ اس صورت میں تحدی بالکل نہ ہوگی۔ صریحاً اس کا نہ ہونا تو ظاہر ہے، اور ضمناً بھی ظاہر ہے کہ اس وقت کسی کا وجود ہی نہ ہوگا کہ اس سے طلب معارضہ کا تصور کیا جاسکے۔ اسی طرح وہ کرامتیں جو اولیاء کے ہاتھوں ظاہر ہوتی ہیں وہ بھی معجزہ نہیں، اس لئے کہ اس کے ساتھ نہ تو دعویٰ ہے اور نہ تحدی۔ پس مدعی نبوت کے صدق پر ان خوارق کے دلالت نہ کرنے کے باعث معجزات کا اس دلالت سے خالی ہونا لازم نہیں آتا، اور یہی مطلوب ہے۔ پس تم سمجھو۔

پس اگر تم کہو کہ مدعی نبوت کے صدق پر معجزے کی دلالت تو اسی سبب سے ہے کہ وہ خارق عادت ہے، اور اس دلالت میں معجزے کی خصوصیت کو کوئی دخل نہیں تو میں کہوں گا کہ بات یہ نہیں ہے جیسا کہ تم نے گمان کیا ہے بل کہ معارضہ کا دشوار ہونا اور دوسروں کا اس کے مثل پیش کرنے پر قادر نہ ہونا، جو کہ اعجاز کی حقیقت ہے، اس (مدعی نبوت) کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ پس دلالت میں اس کی خصوصیت کو دخل ہوگا بل کہ دلالت میں اسی پر اعتماد ہوگا۔

اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ سید سند شریف نے شرح مواقف میں تصریح کی ہے کہ محض دلیل نقلی متصور نہیں ہے۔ اس لئے کہ مخبر کا صادق ہونا ضروری ہے۔ اور اس کا ثبوت عقل ہی سے ہوسکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ معجزہ میں جو صدق پر دلالت کرتا ہے غور کیا جائے تو اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ نبی

کے صادق ہونے پر معجزہ کی دلالت عقلی ہے اور یہاں دلالت عقلیہ کی اس سے نفی کی گئی ہے، تو یہ تناقض ہی ہے، اس لئے کہ ہم کہیں گے کہ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ صدق پر دلالت کرنے والے معجزہ پر عقلی اعتبار سے نظر کیا جائے تا کہ اس سے خبر دینے والے کی سچائی معلوم ہو۔ باقی رہا صدق پر اس کا عقلی یا عادی طور پر یا کسی اور طور پر دلالت کرنا تو یہ اس سے کسی طرح بھی نہیں سمجھ میں آتا ہے کہ یہ محض دلالتِ عقلی ہے، اور یہاں نفی سے یہ مطلوب ہے۔ اس لئے کہ کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کرتا کہ عقل کو اس کی دلالت میں بالکل دخل نہیں تا کہ تناقض ہو۔ اور ان کی عبارت میں جو حصر ہے وہ اضافی ہے اور نقل کے اعتبار سے ہے پس غور کرو۔

اور اسی طرح معجزے کی دلالت صدقِ نبی پر دلالتِ سمعیہ نہیں ہے ورنہ تو دور لازم آئے گا۔ کیوں کہ معجزہ کا نبی کی صداقت پر دلالت کرنا نبی کے صادق ہونے پر موقوف ہوگا بل کہ وہ دلالتِ عادیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت جاری کی ہے کہ معجزہ کے ظاہر ہونے کے بعد صدق کا علم پیدا کردیتا ہے۔ کیوں کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا ظاہر کرنا اگر چہ عقلاً ممکن ہے لیکن عادۃً اس کا انتفا معلوم ہے۔ کیوں کہ جو شخص یہ کہے کہ میں نبی ہوں۔ پھر پہاڑ لٹک کر آئے اور اس کو لوگوں کے سروں پر لا کھڑا کرے اور کہے کہ اگر تم نے میری تکذیب کی تو پہاڑ تم پر گر جائے گا، اور اگر تم میری تصدیق کرو گے تو یہ تم سے دور ہٹ جائے گا۔

اور جب بھی وہ لوگ اس کی تصدیق کا ارادہ کریں تو وہ پہاڑ ان سے دور ہو جائے اور جب وہ لوگ اس کی تکذیب کا ارادہ کریں تو پہاڑ ان کے قریب آجائے تو اس سے بالبداہۃ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ اور عادت اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جھوٹے سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اور لوگوں نے اس کی مثال بیان کی ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی شخص جم غفیر کی موجودگی میں دعویٰ کرے کہ میں اس بادشاہ کی طرف سے تمہاری طرف قاصد بن کر آیا ہوں۔ پھر وہ بادشاہ سے کہے کہ اگر میں سچا ہوں تو تُو اپنی عادت کے خلاف کر اور اپنی عادی جگہ یعنی تخت سے اٹھ جا اور اس جگہ بیٹھ جا جس کا تو عادی نہیں۔ اور بادشاہ نے ایسا کردیا تو یہ اس شخص کی صریح گفتگو کی تصدیق کے بمنزلہ ہوگی، اور قرینۂ حال کی بناء پر کسی شخص کو اس میں شک نہ ہوگا، اور یہ غائب کو حاضر پر قیاس کے قبیل میں سے نہیں ہے بل کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ معجزہ کا ظاہر ہونا صدق کے علم ضروری ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس کے لئے اس کا مفید ہونا ضرورت عادیہ کی بنا پر معلوم ہے۔ اور یہ

مثال سمجھانے کے لئے اور تقریر کی زیادتی کے لئے بیان کی جاتی ہے۔

اور معتزلہ نے کہا کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اس لئے کہ اس کی قدرت عام ہے لیکن اس کا وقوع اس کی حکمت کی بنا پر ممتنع ہے اس لئے کہ اس صورت میں اس کے سچے ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے اور گم راہ کرتا ہے جو ایک قبیح بات ہے چناں چہ اس کا صدور اللہ تعالیٰ سے دیگر قبائح کی طرح ممتنع ہے، شیخ اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کا پیدا کرنا فی نفسہ قدرت میں داخل نہیں۔ اس لئے کہ معجزہ صدق پر قطعاً دلالت کرتا ہے، اس طور پر کہ صدق کا تخلف اس سے ممتنع ہے۔ چناں چہ اس کی دلالت من وجہ ضروری ہے کیوں کہ اسی کی وجہ سے صحیح دلیل فاسد سے ممتاز ہوتی ہے، اگر چہ ہم اس کی وجہ کو متعین طور پر نہ جانیں۔ پس اگر وہ معجزہ جو جھوٹے کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ صدق پر دلالت کرے تو جھوٹا سچا ہو جائے گا اور یہ محال ہے، ورنہ معجزہ اس چیز سے جدا ہو جائے گا جو اس کو لازم ہے یعنی اپنے مدلول پر اس کی قطعی دلالت، اور یہ بھی محال ہے۔

اور قاضی نے کہا کہ ظہور معجزہ کا صدق کے ساتھ شامل ہونا امر لازم نہیں ہے یعنی لزوم عقلی نہیں ہے جیسا کہ فعل کا وجود فاعل کے وجود کو شامل ہے بل کہ وہ ایک عادی امر ہے۔ جیسا کہ تم نے جان لیا، پس اگر ہم اس کی عادی جگہ سے اس کے انحراف کو جائز قرار دیں تو معجزہ کا صدق کے اعتقاد سے خالی کرنا جائز ہوگا، اور اس وقت جھوٹے کے ہاتھ پر اس کا ظاہر کرنا جائز ہوگا۔ اس میں کوئی دشواری نہیں بجز اس کے کہ معجزے میں خرق عادت ہوتا ہے، اور یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ وہ جائز ہے۔ لیکن اس کو جائز قرار دیئے بغیر اس کا اظہار جھوٹے کے ہاتھ پر جائز نہیں، اس لئے کہ جھوٹے کے سچے ہونے کا علم محال ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عادی امور کا ان کی عادی جگہ سے ہٹنے کو مطلقاً جائز قرار دینا اس کو واجب کرتا ہے کہ معجزہ کو نبی کے صدق کے اعتقاد سے خالی کرنا بھی جائز قرار دیا جائے، اس لئے کہ اس کے صدق کا علم معجزہ کے بعد عادی ہے اور اس صورت میں صادق کا امتیاز کاذب سے نہیں ہو سکتا، اور اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے ثابت کرنے میں اعتماد اس پر ہے کہ معجزہ کے ظاہر ہونے کے وقت نبی کے صادق ہونے کا علم ضروری عادی طور پر حاصل ہو، بل کہ لازم آتا ہے کہ معجزہ معجزہ نہ رہے۔ اور یہ کہ اس کی دلالت صدق پر بالکل نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ

باعتبار اپنے خرق عادت کے معجزہ کہا جاتا ہے۔ اور صدق پر دلالت کرتا ہے پس اگر ہم مطلقاً خرق عادت کو جائز قرار دیں تو وہ اس صورت میں صدق پر دلالت نہ کرنے کے اعتبار سے امورِ عادیہ کی طرح ہوں گے۔ مثلاً روزانہ آفتاب کا طلوع ہونا۔ پس حق اس مقام میں وہ ہے جو میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ ہم نے خرقِ عادت کو صرف نبی کے حق میں اعجاز کے طور پر اور ولی کے حق میں کرامت کے طور پر اس کے سفسطہ ہونے کے باوجود جائز قرار دیا ہے کیوں کہ اس کا حصول اور اس کا تحقق ہر زمانے میں ہے، یہاں تک کہ یہ عادتِ مستمرہ ہوگئی ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں اور اس کا مستبعد ہونا مرتفع ہوگیا۔ باقی رہا اس کے علاوہ دیگر صورتوں میں تو عادت اپنی حالت پر باقی ہے کہ اس کا استبعاد مرتفع نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کی طرف شبہ راہ پاتا ہے اور نہ اس میں خرق کبھی جائز ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ وہ پہاڑ جس کو ہم نے پہلے دیکھا ہے اس کا سونے سے بدل جانا جائز قرار دیا جائے۔ اسی طرح سمندر کے پانی کا خون یا تیل ہو جانا، یا گھر کے ظروف کا عالم مردوں کی صورت میں تبدیل ہو جانا جائز قرار دیا جائے، یا یہ کہ بوڑھا (آدمی) بغیر باپ ماں کے دفعۃً پیدا ہوگیا ہے اور یہ کہ جس کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہوا وہ اس کے علاوہ ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس طور پر کہ وہ معدوم ہو جاتا ہے اور اس کے مثل وجود میں آجاتا۔

اس کی وجہ سے امورِ معاش و معاد میں جو خبط اور خلل پیدا ہوتا ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ پس اگر اللہ سبحانہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کردے تو اس معجزہ سے اس شخص کے صدق کا اعتقاد عادۃً متخلف نہ ہوگا اور اس کے صدق کا علم عادی اس کو لازم ہے، اس لئے کہ عادت بھی حس کی طرح علم کا ایک ذریعہ ہے اور کاذب کے صدق کا علم محال ہے۔ نیز معجزہ کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کاذب کی تصدیق ہوگی اور کاذب کی تصدیق کذب ہے۔

''اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے جو وہ لوگ کہتے ہیں''۔

باقی جادو وغیرہ تو یہ اس قبیل سے ہے کہ اسباب کے مترتب ہونے پر مسببات حاصل ہوتے ہیں، اور اس کو خوارق سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ علاوہ بریں یہ وہم پیدا کرنا اور تخییل ہے، اور ایسی حقیقت کا ظاہر کرنا ہے جو کہ نفس الامر میں تحقیق نہیں ہے جیسے میدان میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو کچھ نہیں پاتا ہے۔

پہلا مقالہ اور اس میں دو مسلک ہیں

پہلا مسلک بعثت اور نبوت کی حقیقت اور تمام مخلوقات کے اس کی طرف احتیاج کے بیان میں ہے۔

تم جان لو کہ انسان کا جوہر اول فطرت میں سادہ اور خالی پیدا کیا گیا، کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عوالم کی کچھ بھی خبر نہیں، اور عوالم بہت زیادہ ہیں کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرے پروردگار کے لشکروں کو وہی جانتا ہے۔ اور اس کو عوالم کی خبر ادراک کے واسطے سے ہوتی ہے

پس ادراکات میں سے ہر ادراک کی تخلیق صرف اس لئے ہوئی کہ اس کے ذریعے سے انسان عالم موجودات سے مطلع ہو۔ اور عوالم سے ہماری مراد اجناس موجودات ہیں۔ پس انسان میں سب سے پہلے لمس کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے گرمی، سردی، تری، خشکی، نرمی، سختی وغیرہ کا ادراک کرتا ہے۔ اور لمس کی قوت رنگوں اور آوازوں کے ادراک سے بالکل قاصر ہے، بل کہ یہ لمس کے حق میں معدوم کی طرح ہیں۔ پھر اس کے اندر دیکھنے کی قوت پیدا کی جاتی ہے جس کے ذریعے وہ رنگوں اور شکلوں کا ادراک کرتا ہے، اور یہ عالم محسوسات میں سب سے زیادہ وسیع ہے۔ پھر اس کے سننے کی قوت پیدا کی جاتی ہے جس سے آواز اور نغمے سنتا ہے۔ پھر اس کے لئے اسی طرح چکھنے کی قوت پیدا کی جاتی ہے یہاں تک کہ عالم محسوسات کی طرف تجاوز کرتا ہے تو اس کے اندر تمیز پیدا کی جاتی ہے جب کہ وہ سات سال کی عمر کے قریب ہوتا ہے اور یہ اس کے وجود کے مختلف اطوار میں سے ایک طور ہے جس کے ذریعے وہ ان امور کا ادراک کرتا ہے جو کہ محسوسات کے علاوہ ہیں، اور عالم حس میں اس میں سے کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔ پھر ایک اور درجہ پر ترقی کرتا ہے اور اس کے لئے عقل پیدا کی جاتی ہے تو واجبات، ممکنات اور مستحیلات اور ان دیگر امور کا ادراک کرتا ہے جو اس کے قبل کے درجہ میں حاصل نہیں ہوتے۔ اور عقل کے اوپر ایک اور درجہ ہے جس میں اس کی ایک دوسری آنکھ کھل جاتی ہے اور اس کے ذریعے غیب کو اور مستقبل میں ہونے والے اور دیگر ایسے امور کو دیکھتا ہے جس سے عقل معزول ہے، جس طرح کہ قوتِ حس تمیز کے مدرکات سے معزول ہے۔ اور جس طرح کہ تمیز والے کے سامنے مدرکات عقل پیش کئے

جائیں تو وہ اس کا انکار کر دے اور مستبعد جانے، چناں چہ اسی طرح بعض عقلاء نے مدرکاتِ نبوت کا انکار کیا اور اس کو مستبعد جانا اور یہ عین جہل ہے اس لئے کہ اس کے استناد کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ یہ ایسا درجہ ہے جہاں تک وہ پہنچا نہیں، اور نہ اس کے حق میں پایا گیا۔ پس اس نے گمان کیا کہ وہ فی نفسہٖ موجود نہیں۔ اور مادرزاد اندھا اگر تواتر اور تسامع سے رنگوں اور شکلوں کو نہ جانے اور اس کے سامنے یہ چیزیں ابتداءً بیان کی جائیں تو وہ نہ اس کو جانے گا اور نہ اس کا اقرار کرے گا۔ حال آں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی مخلوق کے قریب کر دیا ہے اس طور پر کہ ان کو خاصۂ نبوت کا ایک نمونہ عطاء کیا۔ اور وہ نیند ہے کہ سونے والا اس غیب کا ادراک کرتا ہے جو عنقریب ہونے والا ہے خواہ صریحاً ہو یا لباس مثال میں ہو جو تعبیر سے منکشف ہوتا ہے۔ اور اگر کسی انسان نے خود اس قسم کا تجربہ نہ کیا ہو اور اس سے کہا جائے کہ بعض انسان غش کھا کر مردے کی طرح گر جاتا ہے اور اس کا احساس اور اس کے سننے اور دیکھنے کی قوت زائل ہو جاتی ہے تو وہ غیب کا ادراک کرتا ہے تو وہ شخص اس کا انکار کر دے گا، اور اس کے محال ہونے پر دلیل قائم کرے گا اور کہے گا کہ حاسّہ کی قوتیں ادراک کے اسباب ہیں پس جو شخص اس کے قائم رہنے کی حالت میں ادراک نہیں کر سکتا تو اس کے زوال کے وقت تو بدرجۂ اولیٰ اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ اس قسم کا قیاس ہے کہ وجود اور مشاہدہ اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور جس طرح عقل کا درجہ آدمی کے درجات میں سے ایسا درجہ ہے کہ اس میں ایسی نظر حاصل ہو جاتی ہے جس کے ذریعہ سے انواع معقولات کا ادراک کرتا ہے اور حواس سے معزول ہوتے ہیں۔ اسی طرح نبوت سے مراد وہ درجہ ہے جس میں ایسی نظر حاصل ہوتی ہے کہ اس کی روشنی میں غیب اور وہ دیگر امور ظاہر ہوتے ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی۔ اور نبوت میں شک یا تو اس کے امکان میں، یا اس کے وجود میں یا ایک شخص معین کے لئے اس کے حصول میں ہوگا، حال آں کہ اس کا وجود اس کے امکان کی دلیل ہے۔ اور اس کے وجود کی دلیل وہ علوم و معارف ہیں جن کا عقل سے حاصل ہونا متصور نہیں ہو سکتا۔ مثلاً علمِ طب و نجوم کہ جو شخص ان دونوں علوم سے بحث کرے گا یا اس کو بالبداہتہ اس کا علم ہوگا کہ ان دونوں کا ادراک الہامِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور تجربہ کے ذریعے ان دونوں کی طرف پہنچنے کا راستہ نہیں، کیوں کہ بعض احکام نجوم ایسے ہیں کہ ہر ہزار سال میں ایک بار واقع ہوتے ہیں، تو یہ تجربہ سے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے، یہی حال ادویہ کے خواص کا ہے۔ پس اس دلیل سے ظاہر

ہوا کہ جن امور کا ادراک عقل نہیں کرسکتی ان کے ادراک کے طریقے کا وجود ممکن ہے اور نبوت سے یہاں یہی مراد ہے کیوں کہ نبوت صرف اسی سے عبارت ہے بل کہ اس جنس کا ادراک جو مدرکات عقل سے خارج ہے نبوت کے خواص میں سے ہے۔ اور اس کے علاوہ نبوت کے اور بھی بہت سے خواص ہیں۔ ان خواص میں جو ہم نے بیان کئے ہیں وہ سمندر کا ایک قطرہ ہے اور جو ذکر کیا ہے تو اس لئے کہ تمہارے پاس تمہارے مدرکات میں سے نیند میں اس کا نمونہ ہے۔ اور تمہارے پاس طب و نجوم میں اس جنس کے بہت سے علوم ہیں۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں ان کی طرف عقلاء سرمایۂ عقل کے ذریعے کبھی نہیں پہنچ سکتے، اور ان کے علاوہ جو دیگر خواص نبوت ہیں تو ان کا ادراک ہم ذوق کے ذریعے کرسکتے ہیں جو کہ طریق تصوف اور اولیاء اللہ کے طریقے پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن صرف یہ ایک خاصۂ اصل نبوت پر تمہارے ایمان کے لئے کافی ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنی اَلْمُنْقَذُ مِنَ الضَّلَالِ نامی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ فلاسفہ نے کہا کہ بعثت حسن ہے اس لئے کہ یہ بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ مثلاً عقل کا تقویت پہنچانا، ان امور میں جو عقل کی معرفت کے ساتھ مستقل ہیں جیسے وجودِ باری، اس کا علم، اور اس کی قدرت، اور حکم کا نبی سے استفادہ کرنا ان امور میں جن میں عقل مستقل نہیں ہے، جیسا کے کلام، رویت اور معاد جسمانی، تاکہ رسولوں کے آجانے کے بعد اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت لوگوں کے لئے نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کے ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کا خوف جو پیدا ہوتا ہے اس کا نیکیوں کے بجالانے کے وقت زائل ہونا اور ان کے چھوڑنے کے وقت اس لئے کہ یہ ترکِ طاعت ہے اور حسن وقبح کا ان افعال سے استفادہ کرنا جو کبھی اچھے معلوم ہوتے ہیں اور کبھی برے، بغیر اس کے کہ عقل اس کے مواقع کی طرف رہبری کرے۔ اور غذاؤں اور دواؤں کے منافع اور ان کی مضرتوں کا علم جس کو تجربہ مختلف ادوار و اطوار کے بعد خطرات میں پڑ کر ہی حاصل کرتا ہے۔ اور نوع انسانی کی حفاظت، کیوں کہ انسان مدنی الطبع ہے اور تعاون کا محتاج ہے اس لئے ایسی شریعت کا ہونا ضروری ہے جو کہ شارع مقرر کرے اور اس کی اطاعت کی جائے، اور نفوسِ بشریہ کا ان کی مختلف استعداد کے مطابق علمیات اور عملیات میں کامل کرنا اور ان کی حقیقی صنایع یعنی حاجات وضروریات کی تعلیم، اور اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم جن کا تعلق اشخاص سے ہے، اور سیاساتِ کاملہ کی تعلیم جن کا تعلق جماعتوں سے یعنی منازل اور شہروں سے ہے، اور نیکیوں کی ترغیب اور برائیوں سے ڈرانے کے لئے عذاب وثواب

کی خبر دینا وغیر ذلک۔

یہ پوشیدہ نہیں کہ اس کلام سے بعثت کا وجوب سمجھ میں آ جاتا ہے۔ پس حسن سے مراد وہ ہے جو کہ واجب کو بھی شامل ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض مواقع میں ان (فلاسفہ) کی تصریح موجود ہے کہ بعثت واجب ہے۔

منکرین کے اعتراضات

بعثت کا انکار کرنے والوں نے چند اعتراضات وارد کئے ہیں:

اول یہ کہ جس کی بعثت ہوتی ہے اس کو اس کا علم ہونا ضروری ہے کہ اس کو یہ کہنے والا کہ میں نے تجھ کو بھیجا ہے پس تو میری جانب سے پہنچا دے۔ اللہ ہی ہے۔ اور اس علم کی کوئی صورت نہیں اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ جن کے القاء کے ذریعے ہوا ہو، اور تم اس کے وجود پر متفق ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھیجنے والا اس بات پر دلیل قائم کر دیتا ہے جس سے رسول کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ''میں نے تجھ کو بھیجا ہے''۔

کہنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، جن نہیں ہے۔ اس طور پر کہ اللہ سبحانہٗ ایسے آیات و معجزات ظاہر کرتا ہے جس سے تمام مخلوقات عاجز رہتے ہیں۔ اور یہ اس کے لئے اس علم کا فائدہ دیتا ہے، یا اس میں اس کا علم ضروری پیدا کر دیتا ہے کہ بھیجنے والا اور کہنے والا وہی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو نبی کی طرف وحی کا القا کرتا ہے اگر وہ جسمانی ہے تو ضروری ہے کہ وہ القا کے وقت تمام حاضرین کو نظر آئے حال آں کہ واقعہ یہ نہیں ہے جیسا کہ تم نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، اور اگر جسمانی نہیں بل کہ روحانی ہے تو وحی کا القاء تکلم کے ذریعے محال ہے، اس لئے کہ روحانیات کے لئے کلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور جواب پہلے شق کی بنا پر یہ ہے کہ ملازمت (یعنی جسمانی ہونے کی صورت میں یہ لازم قرار دینا کہ القا کے وقت تمام حاضرین کو نظر آئے) تسلیم نہیں۔

اس دلیل کی بنا پر کہ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضرین میں اس کی رویت کو پیدا نہ کرے کیوں کہ اس کی قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں۔ اور یہ پوشیدہ نہیں کہ حاضرین کے لئے اس کی رویت کے پیدا نہ کرنے کو جائز قرار دینا باوجودیکہ یہ فی نفسہٖ ممکن ہے اور اللہ سبحانہ کی قدرت میں

ہے، یہ اس بات کے جائز قرار دینے کو مستلزم ہے کہ ہمارے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اور بڑے بڑے شہر ہوں جنہیں ہم دیکھ نہ سکیں، اور بوق وطبل بج رہے ہوں اور ہم ان کو سن نہ سکیں یہ سفسطہ ہے۔ پس میں کہتا ہوں اللہ سبحانہ زیادہ جاننے والا ہے کہ القاء کرنے والا جسمانی لطیف شفاف ہے یعنی فرشتہ ہے اور شفاف جسم کا دیکھنا غیر معتاد ہے جیسے آسمان پس سفسطہ لازم نہیں آتا، بل کہ سفسطہ تو اس صورت میں لازم آتا ہے جب کہ جسم کثیف کی عدم رویت کو جائز قرار دیا جائے، اس سبب سے کہ یہ عادت کے خلاف ہے پس سمجھو۔

اور ہم دوسری شق کو اختیار کر کے بھی اس طرح جواب دے سکتے ہیں کہ روحانی ایک لطیف شفاف صورت میں متمثل ہوں اور رسول اس کے کلام کو سنیں جو کہ اللہ سبحانہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے جیسا کہ گزرا۔ اور اس میں کوئی اشکال نہیں پس غور کرو۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ رسالت کی تصدیق مرسل کے وجود کے علم پر موقوف ہے اور اس علم پر کہ کیا چیز اس پر جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔ اور یہ بجز دقتِ نظر کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور وہ غور و فکر جو اس علم تک پہنچا دے اس کے لئے کوئی معین زمانہ مثلاً دن یا سال کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، بل کہ وہ اشخاص اور ان کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔ پس مکلف کو حق ہوگا کہ نظر حاصل کرنے کے لئے مہلت طلب کرے اور کسی زمانے میں بھی عدمِ علم کا دعویٰ کرے۔ اس صورت میں نبی کا ساکت کرنا لازم آئے گا۔ اور بعثت عبث ہوگی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت طلبی کا اختیار نہیں دیا بل کہ اس پر تصدیق بلا مہلت کے واجب کر دی تو تکلیف مالایطاق لازم آئے گا۔ اس لئے کہ رسالت کی تصدیق بغیر اس علم مذکور کے ان امور میں سے ہے جن کا وجود متصور نہیں اور یہ کہ یہ عقلاً قبیح ہے، اس لئے اس کا صدور حکیم تعالیٰ سے ممتنع ہے۔ اور جواب یہ ہے کہ مہلت دینا ضروری نہیں اس لئے کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب رسالت کا دعویٰ کیا اور اس کے دعوے کے ساتھ معجزہ بھی شامل ہو جو کہ خارقِ عادت ہو تو متابعت بلا مہلت کے واجب ہے اس لئے کہ معجزہ کے ظاہر ہونے کے وقت صدقِ رسول کا علم عادی حاصل ہوتا ہے، پس سمجھو۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ بعثت تکلیف سے خالی نہیں، اس لئے کہ بعثت کا یہی فائدہ ہے اور تکلیف کئی وجوہ کی بناء پر ممتنع ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ جبر کو ثابت کرتی ہے اس لئے کہ بندے کا فعل اللہ تعالیٰ کی قدرت سے

واقع ہوتا ہے اور تمہارے نزدیک بندے کی قدرت مؤثر نہیں تو غیر کے فعل کی تکلیف دینا تکلیف مالا یطاق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کی قدرت اگرچہ غیر مؤثر ہے لیکن اس کو فعل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس کو کسب کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے اس کو تکلیف دینی جائز ہے، اس لئے تکلیف مالا یطاق نہیں ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تکلیف بندے کو نقصان پہنچانا ہے اس لئے کہ اس کے لئے فعل کی مشقت اور ترک پر عذاب کی مشقت لازم ہے اور نقصان پہنچانا قبیح ہے، اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تکلیف میں جو دنیوی واخروی مصالح ہیں وہ اس کی مضرتوں سے کہیں زیادہ ہیں جیسا کہ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ اور خیرِ کثیر کا شرِ قلیل کی وجہ سے چھوڑنا جائز نہیں۔

تیسرے یہ کہ تکلیف میں جو مشقت ہے وہ یا تو بغیر کسی غرض کے ہوگی، اور یہ عبث قبیح ہے، یا کسی غرض کے لئے ہوگی جس کا تعلق یا تو اللہ تعالیٰ سے ہوگا حال آں کہ اللہ تعالیٰ اغراض سے منزہ ہے۔ یا اس کا تعلق بندے سے ہے تو اس صورت میں یا تو نقصان پہنچانا ہے اور یہ بالاجماع منتفی ہے۔ یا نفع پہنچانا ہے تو نفع حاصل کرنے کی تکلیف اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں عذاب دینا خلافِ عقل ہے، اس لئے کہ یہ بمنزلہ اس کے ہے کہ اس سے کہا جائے کہ اپنی ذات کے لئے نفع حاصل کر، ورنہ میں تجھ کو ابدالآباد تک عذاب دوں گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرع ہے اس بات کی کہ عقل نے اس کے حسن اور قبح کا حکم لگایا ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی افعال میں غرض کا ہونا لازمی ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے اس کے مقام پر باطل کر دیا ہے۔ نیز تکلیف ایسی غرض کے لئے ہے جو کہ بندے سے متعلق ہے، یعنی دنیوی اور اخروی منافع جو کہ افعال کی مختلف مشقتوں کی مضرتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ باقی رہا اس کا سزا دینا تو یہ اس سبب سے نہیں ہے کہ اس نے منفعت نہیں حاصل کیا، بل کہ اس سبب سے ہے کہ اس نے اپنے آقا سردار کے حکم کی پیروی نہیں کی، اور اس میں آقا کی اہانت ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ

نے کیوں اس کی تکلیف دی باوجود اس علم کے کہ وہ پیروی نہیں کرے گا، اور نہ اس کے ذریعے سے اپنے لئے کوئی فائدہ حاصل کرے گا، یہ تو اس کو صرف نقصان پہنچانا ہے اور یہ بڑا ہے۔

اس کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ تکلیف اگرچہ اس کے اعتبار سے ضرر پہنچانا ہے لیکن ۔ ۔ ر چکا ہے کہ قلیل نقصان خیرِ کثیر کی خاطر عقلاً جائز ہے پس یہ برا نہ ہوگا۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ کافر کی تکلیف میں بھی فائدہ ہے، وہ ثواب کی تعریض ہے، ثواب نہیں۔ کیوں کہ ثواب تکلیف دینے والے کی اطاعت کا فائدہ ہے نہ کہ تکلیف کا فائدہ۔ اور اس کے قریب وہ ہے جو لوگوں کے لئے مثال کے طور پر بیان کیا ہے کہ جیسے کوئی شخص کی غیر کو کھانے کی دعوت دے اور وہ جانتا ہو کہ وہ اس دعوت کو قبل نہ کرے گا مگر اس طور پر کہ اس کے لئے مختلف قسم کے تأدّب وتلطف (سختی ونرمی) سے کام لے۔ اور اگر داعی نے اس قسم کا تأدّب اختیار نہیں کیا تو وہ اپنی غرض میں ناقص ہوگا۔

بعثت اور شریعتوں کی حکمت

اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بہتر اور نافع ہے جو حکمائے اسلام نے کہا ہے کہ تکلیف حسن ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے امور معاش میں مستقل نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو غذا لباس اور مکان اور اسلحہ اور اس کے علاوہ ان امور کی ضرورت ہے جو کہ صنائع ہیں اور ان پر ایک صانع اپنی مدت حیات میں قادر نہیں ہے، بل کہ یہ ایک جماعت ہی کو میسّر آ سکتا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں، اور اس کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے کے شریک ہوں، اس طور پر کہ ہر ایک اپنے ساتھی کے لئے اس کے کام کے مقابلے میں کام کرے۔

مثلاً ایک دوسرے کے لئے کپڑے سیتا ہے تو دوسرا اس کے لئے سوئی بناتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے، کیوں کہ تمدن سے ان کی اصطلاح میں یہ اجتماع ہی مراد ہے اور یہ اجتماع اسی وقت منظم ہوتا ہے جب کہ ان کے درمیان معاملہ اور عدل ہو۔ کیوں کہ ہر شخص کو اس چیز کی خواہش ہوتی ہے جس کا وہ محتاج ہے اور اس پر غضبناک ہوتا ہے جو اس میں مزاحم ہو۔ اور یہ دوسرے پر ظلم کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے ہرج واقع ہوتا ہے اور اجتماع کے کام

اور اس کے نظام میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ اور معاملہ وعدل کی اتنی جزئیات ہیں جن کا حصر نہیں کیا جا سکتا اور وہ قوانین کے وضع کے بغیر ضبط میں نہیں آ سکتے، وہ قوانین سنت اور شرع ہیں۔ پس ضروری ہے کہ کوئی شارع ہو، پھر اگر وہ لوگ وضعِ سنت اور وضع اور شرع میں باہم نزاع کریں تو ہرج واقع ہوگا اس لئے مناسب ہے کہ شارع استحقاقِ طاعت میں ان سے ممتاز ہو، تاکہ باقی لوگ قبولِ سنت اور شرع میں اس کی اطاعت کریں۔

اور یہ استحقاق اسی وقت متصور ہوگا جب کہ وہ ایسے آیات کے ساتھ مختص ہو جو اس پر دلالت کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور یہی معجزات ہیں۔ پھر جمہور عوام احکامِ شرع کو بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں جب کہ ان پر مرغوبات کا شوق غالب ہو۔ پس وہ معصیت پر اور شرع کی مخالفت پر پیش قدمی کرتے ہیں۔

چناں چہ جب مطیع کے لئے ثواب ہو اور نافرمان کے لئے سزا ہو، تو خوف اور امید ان کی طاعت اور ترکِ معصیت پر آمادہ کریں گے گویا شریعت کا انتظام اس کے اعتبار سے قوی ہے جب کہ ایسا نہ ہوتا۔ پس ان پر شارع اور بدلہ دینے والے کی معرفت ضروری ہے۔ اور ضروری ہے کسی ایسے سبب کا ہونا جو کہ اس معرفت کو محیط ہو۔

چناں چہ اسی وجہ سے صاحب شرع اور بدلہ دینے والے کی عبادات مذکورہ مشروع کی گئیں اور ان کا تکرار کیا گیا تاکہ اس تکرار کی وجہ سے تذکر مستحکم ہو جائے تو اس صورت میں مناسب ہے کہ شارع ایسے خالق کی تصدیق کی دعوت دے جو علیم وقدیر ہے۔ اور شارع ایمان لانے کی دعوت دے جو کہ اس خالق کی جانب ان لوگوں کے پاس بھیجا گیا ہے اور سچا ہے۔

اور وعد و وعید، ثواب وعذاب اخروی کے اعتراف کی دعوت دے اور عبادات کے ساتھ قیام کی دعوت دے جن میں خالق کا ذکر اس کی صفات جلال کے ساتھ ہو، اور اس سنت کی اطاعت کی دعوت دے جس کی لوگوں کو اپنے معاملات میں ضرورت ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس دعوت کے ذریعے وہ عدل جاری ہو جائے جو کہ امورِ نوع کے نظام کو درست کرنے والا ہو۔ اور اس سنت کا استعمال تین امور میں نافع ہے،

اول قوائے نفسانیہ کی ریاضت اس کو شہوت کے بغل گیر ہونے سے اور اس غضب سے روکتی ہے جو کہ نفس ناطقہ کے لئے جنابِ قدس کی طرف توجہ سے مانع ہیں۔

دوسرے امورِ عالیہ میں برابر غور وفکر کرنا جو کہ عوارض مادّیہ اور کدوراتِ حسیہ سے پاک ہیں اور ملاحظہ ملکوت کی طرف پہنچانے والے ہیں۔

تیسرے شارع کے انذرات (ڈرانا) کی یاد کا آنا اور نیک کام کرنے والوں کے لئے وعدہ اور بدکاروں کے لئے وعید کی یاد کا آنا جو دنیا میں عدل قائم کرنے کو اور ساتھ ساتھ آخرت میں اجر و ثواب کو مستلزم ہے۔

یہ تو ان (حکمائے اسلام) کا کلام ہے، اور اس کے قریب قریب معتزلہ کا یہ قول ہے کہ تکلیف عقلاً واجب ہے اس لئے کہ یہ قبائح کے ارتکاب سے روکنے والی ہے کیوں کہ انسان بہ مقتضائے طبیعت مرغوبات اور لذیذ چیزوں کی طرف رغبت کرتا ہے۔ پس جب اسے معلوم ہوگا کہ یہ حرام ہے تو وہ اس سے رک جائے گا اور قبائح سے رکنا واجب ہے۔

چوتھی وہ یہ ہے کہ تکلیف یا تو فعل کے وجود کے ساتھ ہوگی، اور اس کے واجب ہونے کا اور اس کے صدور کے متعین کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اس وقت اس کے صدور کا عبث قبیح ہونا متعین ہوگا۔ اور یہی حال اس وقت بھی ہے جب کہ تکلیف فعل کے بعد ہو، کیوں کہ یہ تحصیل حاصل کی تکلیف ہے اور یا قبل وجود فعل کے ہے۔ یہ تکلیف مالا یطاق ہے، اس لئے کہ فعل قبل فعل کے محال ہے، کیوں کہ کسی چیز کا وجود اس کے عدم کی حالت میں نہیں ہوتا۔ اور جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قدرت فعل کے ساتھ اور اس کی تکلیف اس حالت میں محال یعنی تحصیل حاصل کی تکلیف نہیں ہے۔

اور یہ تو اسی صورت میں ہوتا ہے اگر فعل اس تحصیل سے پہلے حاصل ہو جس تحصیل میں کہ وہ مشغول ہے۔ اور یہ ایسا نہیں ہے بل کہ یہ اس تحصیل کی وجہ سے حاصل ہے۔ علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ تکلیف احداث کی طرح ہے۔ پس کہا جائے گا کہ اس کا احداث یا تو اس کے وجود کی حالت میں ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے اور یا اس کے عدم کی حالت میں ہے تو یہ جمع بین النقیضین ہے، اور احداث ان امور میں ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ پس احداث میں تمہارا جو جواب ہوگا تکلیف کے متعلق میرا بھی وہی جواب ہوگا۔ معتزلہ نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ تکلیف قبل فعل کے ہے اور یہ تکلیف مالا یطاق نہیں ہے۔ اس کہ فی الحال تکلیف دوسرے حال میں واقع کرنے کی ہے نہ یہ کہ فوری واقع کرنے کی کہ جمع بین النقیضین یعنی وجود و عدم کا اجتماع [illegible] ئے۔ جیسا کہ کافر کو

فی الحال تکلیف اس کی دی گئی ہے کہ دوسرے حال میں ایمان کو وقوع میں لائے، اور یہ محل نظر ہے اس لئے کہ اگر مثلاً وہ دوسرے حال میں کفر کو جاری رکھے تو اس میں ایمان پر قدرت نہیں اور اگر ایمان سے بدل ڈالے تو وہ اس کا مکلف نہیں ہے، اس لئے کہ تحصیل حاصل کی تکلیف محال ہے۔ اور اس کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ تکلیف اسی سے متعلق ہے جو کہ قدرت میں ہے۔ اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس چیز کی تکلیف دی گئی ہے وہ اس کے وجود کے زمانے میں مقدور ہو۔ باقی رہا قدرت کا تکلیف کو جامع ہونا تو یہ نہیں ہے۔ مزید برآں تحصیل حاصل کی تکلیف اس وقت محال ہے جب کہ دوسری تحصیل کی تکلیف دی جائے نہ کہ اسی تحصیل کی جیسا کہ گزرا۔ پس اگر تم کہو کہ کفر کا جاری رکھنا دوسرے حال میں ان کے نزدیک ایمان پر اس کی قدرت کے منافی نہیں، اس لئے کہ ایمان کفر کی حالت میں ان کے خیال کے مطابق قدرت میں ہے۔ کیوں کہ قدرت فعل سے پہلے ثابت ہے تا کہ کافر کو ایمان کی تکلیف صحیح ہو۔ اس بنا پر کہ جو چیز قدرت میں نہیں ہے اس کی تکلیف نہیں دی جاتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ اور اس صورت میں پہلی شق کو اختیار کر کے بھی جواب صحیح ہو سکتا ہے، جیسا کہ تم دیکھو گے۔ تو میں کہتا ہوں (اور اللہ سبحانہ خوب جانتا ہے) کہ ناظر کی مراد یہ ہے کہ دوسرے حال میں کفر پر قائم رہنے کی صورت میں ایمان اس وقت بھی قدرت میں نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ وجود اور عدم کا جمع کرنا ہے۔

پس ان کے اس اعتذار کا کہ فی الحال تکلیف صرف دوسرے حال میں واقع کرنے کی ہے، کوئی فائدہ نہیں۔ چناں چہ اس بناء پر پہلی شق کو اختیار کر کے جواب ممکن نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ پس سمجھو۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ بعض ملاحدہ کا خیال ہے کہ افعال شاقہ بدنیہ کی تکلیف باطن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں، اور ان صفات میں جو کہ واجب ہیں اور جائز ہیں اور وہ افعال جو کہ ممتنع ہیں ان میں تفکر سے روکتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ مصلحت جس کی اس سے توقع ہے وہ فوت ہو جاتی ہے۔ یعنی امورِ مذکورہ میں غور و فکر کرنا، پھر مزید برآں وہ امور جو تکلیف کی وجہ سے متوقع ہیں۔ پس یہ عقلاً ممتنع ہے۔

اور جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت میں فکر کرنا یہی تکلیف کا مقصدِ اعلیٰ ہے اور

تمام تکالیف اس کی معاون اور داعی ہیں اور مکلف کے لئے اس اصلاحِ معاش کا سبب اور وسیلہ ہیں، اوقات کو ان پریشان کن امور سے محفوظ رکھنے میں مددگار ہیں جن میں مشغول ہونا تکالیف کی مشغولیت سے زیادہ پریشان کن ہے۔

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ عقل میں بعثت کی طرف سے کفایت ہے، پس کوئی فائدہ نہیں، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عقل جس چیز کے حسن کا فیصلہ کرے اس پر عمل کیا جائے گا، اور جس کے برے ہونے کا حکم دے اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور جس کے اچھے برے ہونے کا کوئی فیصلہ نہ کرے تو ضروت کے وقت اس پر عمل کیا جائے گا، اس لئے کہ ضرورت موجود ہے پس اس حاجت کا اعتبار کرنا واجب ہے تاکہ اس کے فوت ہونے کی مضرت کو دفع کیا جا سکے اور مضرت کا محض احتمال اس کے برے ہونے کی تقدیر پر اس کے معارض نہ ہوگا۔ اور اس حاجت کے نہ ہونے کے وقت اس کو احتیاطاً ترک کر دیا جائے گا تاکہ وہ مضرت دفع ہو سکے جس کا وہم ہے

اور حسن و قبح کے متعلق عقل کا حکم تسلیم کرتے ہوئے جواب یہ ہے کہ شرع جو بعثت سے مستفاد ہے اس کا فائدہ اس کی تفصیل بیان کرنا ہے جس کو عقل نے اجمالاً حسن و قبح اور منفعت و مضرت کے مراتب دیئے ہیں اور اس چیز کا بیان کرنا ہے جس سے عقل ابتداء قاصر ہے کیوں کہ عقل کے حکم کو ماننے والے اس کا انکار نہیں کرتے کہ بعض افعال ایسے ہیں جن میں عقل کچھ حکم نہیں کرتی۔ مثلاً وظائف عبادات، تعیینِ حدود و مقادیر، اور نفع پہنچانے والے اور مضر افعال کی تعلیم، اور نبی شارع اس طبیب حاذق کی طرح ہے جو دوائیں اور ان کے طبائع وخواص جانتا ہے، یہ ایسے امور ہیں کہ اگر عام لوگوں کا تجربے کے ذریعے ان کی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے تو وہ ایک طویل زمانے میں ممکن ہے جس میں اس کے فوائد سے وہ محروم رہیں گے، اور اس کے کمال تک پہنچنے سے پہلے وہ ہلاکتوں میں پڑیں گے، کیوں کہ اس مدت میں بسا اوقات ایسی دوائیں استعمال کریں گے جو مہلک ہوں اور انہیں اس کا علم نہ ہو چناں چہ ہلاک ہو جائیں گے مزید برآں ان امور میں مشغول ہونا نفس کو مشقت میں ڈالنے کا اور ضروی صنعتوں کے تعطل کا اور مصالح معاش سے بے توجہی کا سبب ہوگا۔ جب وہ اس کو طبیب سے اخذ کریں گے تو ان کا بوجھ ہلکا ہوگا اور اس سے نفع حاصل کریں گے اور ان مضرتوں سے محفوظ رہیں گے۔

پس جس طرح کہ امورِ مذکورہ کی معرفت کے امکان کی بنا پر طبیب سے بے نیازی کا دعویٰ

نہیں کیا جا سکتا اسی طرح تکالیف اور افعال کے احوال کی معرفت کے امکان کی بنا پر نہیں کہا سکتا کہ اس میں عقل کے تامل کی وجہ سے مبعوث سے بے نیازی ہے، یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے جب کہ نبی وہ چیز جانتے ہیں کہ اس کا علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی جانب سے ہوتا ہے، بخلاف طبیب کے کہ محض فکر و تجربے کے ذریعے ان تمام امور کی طرف پہنچنا ممکن ہے جو کہ وہ جانتا ہے۔ پس جب کہ وہ اس سے مستغنی نہ ہو تو نبی سے تو بدرجۂ اولیٰ مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اور اثباتِ نبوت اور حسنِ تکلیف کے سلسلے میں حکماء کے مذہب کی تقریر جو پہلے بیان ہو چکی ہے اس میں اس کلام کا تتمہ ہے۔

چھٹا (اعتراض) یہ ہے کہ معجزہ ممتنع ہے اس لئے کہ یہ خرقِ عادت ہے اور اس کا جائز قرار دینا سفسطہ ہے پس معجزہ نبوت کو ثابت نہیں کرتا اس کا جواب یہ ہے کہ خرق عادات آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کے پہلی بار پیدا کرنے سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے، اور بعض مواد میں خرق کے عدم وقوع کا یقین اس کے فی نفسہ امکان کے منافی نہیں ہے۔ علاوہ بریں خرق عادت انبیاء اور اولیاء سے ایک عادتِ مستمرہ ہے جو ہر زمانے اور وقت میں پائی جاتی ہے اسی لئے عاقل منصف کے لئے اس کا انکار ممکن نہیں بل کہ ہم کہیں گے کہ معجزہ ہمارے نزدیک وہ ہے جس سے مدعیِ رسالت کی تصدیق مقصود ہو، اگر چہ خرقِ عادت نہ ہو۔ میں کہوں گا کہ اس میں اعتراض ہے اس لئے کہ یہ اس کے منافی ہے جو معجزہ کے شرائط میں پہلے گزر چکا ہے کہ خرقِ عادت اس میں شرط ہے۔ نیز اس سبب سے کہ اگر یہ نہ ہو تو معجزہ دیگر امور معتادہ کی طرح صدق پر دلالت نہیں کرے گا، پس تم سمجھو۔

ساتویں یہ کہ معجزہ کا ظاہر ہونا صدق پر دلالت نہیں کرتا ہے کیوں کہ اس کا احتمال ہے کہ وہ جادوگر ہو، اور یہ اس کا فعل ہو اللہ تعالیٰ کا فعل نہ ہو۔ اور تمہارا اس کے حق ہونے اور امورِ غریبہ میں اس کی تاثیر پر اتفاق ہے۔ یا کسی طلسم کی وجہ سے ہو جس کا علم اس کو خاص طور پر ہو۔

اور جواب یہ ہے کہ تجویزاتِ عقلیہ علم عادی کے منافی نہیں ہیں، جیسا کہ محسوسات میں ہوتا ہے، کیوں کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ جسمِ معین کا حصول اس کے عدم کے فرض کے مانع نہیں بل کہ اس کو اس کے حصول کے جزم کے ساتھ ساتھ ایسا جزم ہے جو کہ واقعہ کے مطابق ہے، اور اس طرح ثابت ہے کہ اس حس کا شبہ اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا جو کہ اس کی قابلِ اعتماد شہادت دیتا

ہے۔

اور عادت حس کی طرح علم کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے پس جائز ہے کہ جس طرح حس کسی چیز کا یقین کرتی ہے اسی طرح عادت کی بنا پر اس کا یقین کیا جائے، باوجود اس کے کہ فی نفسہ اس کے نقیض کا امکان ہے۔ نیز اپنے موقع پر بیان ہو چکا ہے کہ وجود میں مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے، تو معجزہ صرف اس کا فعل ہوگا مدعی کا نہیں۔ اور سحر وغیرہ اگر اعجاز کی اس حد کو نہ پہنچیں جیسا کہ معجزہ کا حال ہے مثلاً سمندر کا پھاڑنا، مردوں کا زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست کر دینا، تو ظاہر ہے کہ سحر معجزہ کے ساتھ مشتبہ نہیں ہوسکتا۔ پس کوئی اشکال نہیں اور اگر حدِ اعجاز کو پہنچے تو یا تو دعوائے نبوت اور تحدی کے بغیر ہو تو بھی ظاہر ہے کہ اس میں التباس نہ ہوگا، یا ان دونوں چیزوں کا دعویٰ بھی ہو تو اس صورت میں دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے ہاتھ پر پیدا نہ کرے، یا یہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور شخص اس کے معارضہ پر قادر نہ ہو، ورنہ کاذب کی تصدیق ہوگی۔ اور یہ کذب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

آٹھویں یہ کہ معجزہ کے حصول کا علم اس شخص کے لئے جس نے اس کا مشاہدہ نہ کیا ہو تواتر کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اور وہ علم کا فائدہ نہیں دیتا۔ پس کسی کی نبوت کا علم اس شخص کو نہیں ہوسکتا جس نے اس کے معجزہ کا مشاہدہ نہ کیا ہو اور تواتر علم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اس لئے کہ اہل تواتر میں سے ہر ایک پر کذب کا احتمال ہے، تو اس طرح پورے پر کذب کا احتمال ہے کیوں کہ سبھوں کا کذب ان میں سے ہر ایک کا کاذب ہونا ہی ہے۔

جواب یہ ہے کل کا اس حیثیت سے کہ کل ہے برابر ہونا تسلیم نہیں کہ سب پر ایک ہی حکم لگایا جائے، اس لئے کہ دس آدمیوں کی قوت ایک چیز کے ہلانے پر قادر ہے جس پر ان میں سے ہر یک شخص (فرداً فرداً) قادر نہیں ہے۔

نواں یہ ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے شریعتوں کا تتبع کیا تو ہم نے اس کو پایا کہ یہ ان امور پر مشتمل ہیں جو کہ عقل اور حکمت کے موافق نہیں۔ پس ہمیں معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ امور یہ ہیں،

مثلاً جانور کے ذبح کا مباح کرنا اور اس کو کھانے وغیرہ کے فائدے کے لئے تکلیف دینا،

اور ایام معینہ میں بھوک پیاس کے برداشت کرنے کو واجب کرنا اور ان لذتوں سے روکنا جن میں بدن کی بہتری ہے۔ اور افعالِ شاقہ اور میدانوں کے طے کرنے کی تکلیف دینا۔ اور مثلاً بعض مقامات کی زیارت کرنا اور بعض مقامات میں قیام کرنا۔ بعض میں سعی کرنا، بعض کا طواف کرنا۔ باوجودیکہ وہ مقامات ایک دوسرے کے مثل ہیں اور بچوں اور مجنونوں جیسی صورت اختیار کرنی کہ ننگے سر اور ننگے پیر ہونا۔ اور نشانہ بازی کرنا حال آں کہ کوئی چیز نشانہ کی نہیں۔

اور ایک پتھر کو بوسہ دینا حال آں کہ دیگر پتھروں پر اس کو کوئی فضیلت نہیں۔ اور مثلاً آزاد حسین عورتوں کی طرف دیکھنے کو حرام کرنا اور حسین لونڈی کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دینا۔

حسن وقبح کے متعلق عقل کا حکم تسلیم کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض کو لازمی تسلیم کرتے ہوئے جواب یہ ہے کہ، غایتِ امر یہ ہے کہ ان مذکورہ صورتوں میں حکمت سے واقفیت نہیں ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر میں کوئی حکمت ہے ہی نہیں۔

بہت ممکن ہے کہ کوئی ایسی مصلحت وہاں موجود ہو جس کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کرلیا ہو، اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عقل کے ماسوا ایک اور درجہ ہے جس میں ایک ایسی آنکھ کھل جاتی ہے جس سے غیب کو اور مستقبل میں ہونے والے اور ان دوسرے امور کو دیکھ لیتا ہے جن سے عقل معزول ہے۔

جس طرح کہ حس کی قوت تمیز کے مدرکات سے قاصر ہے۔ اور عنقریب میں اس کی مزید تحقیق مسلک ثانی کے ابتداء میں ان شاء اللہ تعالیٰ پیش کروں گا۔

دوسرا مسلک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے اثبات میں

تم جان لو کہ بعض امور کے ایسے خواص ہیں کہ عقل کی نگاہ اس کے اردگرد نہیں پھٹک سکتی، بل کہ قریب ہے کہ عقل اس کی تکذیب کرے اور اس کے محال ہونے کا فیصلہ کرے۔ پس چاہئے کہ ہم ان امور کے امکان، بل کہ ان کے وجود پر دلیل قائم کریں،

چناں چہ ہم کہتے ہیں کہ افیون بقدر ایک دانگ سم قاتل ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی برودت کی زیادتی کی وجہ سے رگوں میں خون کو منجمد کر دیتی ہے اور جو شخص علمِ طبیعیت کا دعویٰ کرتا ہے وہ گمان کرے گا کہ بارد کرنے والا مرکب پانی اور مٹی کا مرکب ہے کیوں کہ یہ دونوں عنصر بارد ہیں۔

اور یہ معلوم ہے کہ کئی رطل پانی اور مٹی اپنے بارد کرنے میں باطنی طور پر اس حد کی تبرید کو نہیں پہنچ سکتے، اور کسی طبیعی کو اس کی خبر دی جائے جس نے اس کا تجربہ نہ کیا ہو تو کہے گا کہ یہ محال ہے اور اس کے محال ہونے پر دلیل یہ دے گا کہ اس میں ناریت اور ہوائیت بھی ہے اور سبھوں کا پانی اور مٹی سے اندازہ کیا جائے تو تبرید میں اس افراط کا سبب نہ ہوگا، اور جب اس میں دو حار ملا دیئے جائیں تو بدرجۂ اولیٰ اس کا سبب نہ ہوں گے، اور وہ اس کو برہان (دلیل) سمجھے گا۔

طبعیات والٰہیات کے متعلق فلاسفہ کی اکثر دلیلیں اسی جنس پر مبنی ہیں، کیوں کہ انہوں نے تمام امور کا تصور اس کے مطابق کیا ہے جیسا کہ انہوں نے پایا اور سمجھا ہے۔

اور جس کو انہوں نے نہیں سمجھا تو س کا محال ہونا فرض کرلیا۔ اسی طرح جو شخص رویائے صادقہ سے مانوس نہیں ہے اور اس کے سامنے کوئی ایک شخص دعویٰ کرے کہ وہ حواس کے زائل ہونے کے وقت غیب کو معلوم کرتا ہے تو اس قسم کی عقلوں سے کام لینے والے اس کا انکار کردیں گے اور اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی ہو جو کہ ایک دانہ کے برابر ہو اور شہر میں رکھ دی جائے تو پورے شہر کو ختم کردے پھر خود بھی ختم ہو جائے اور نہ خود باقی رہے اور نہ شہر کی کوئی چیز باقی رہے، تو اس کا جواب یہ ملے گا کہ یہ محال ہے جو کہ منجملہ خرافات کے ہے،

لیکن یہ حالت آگ کی ہے۔ اس حالت کو سن کر اس کا انکار وہی شخص کرے گا جس نے آگ کو دیکھا نہ ہو۔ اور کثر احکام شرائع اور عجائبِ آخرت کا انکار اسی قبیل سے ہے۔

تو ہم طبیعی سے کہیں گے کہ تم یہ کہنے پر مجبور ہو کہ افیون میں تبرد کی ایسی خاصیت ہے جو اس قیاس پر مبنی نہیں ہے جو کہ طبیعت سے سمجھا جاتا ہے۔

پھر تم اس کو کیوں نہیں جائز قرار دیتے کہ اوضاع شرعیہ میں قلب کے علاج اور اس کے تصفیہ کے ایسے خواص موجود ہیں جن کا ادراک حکمتِ عقلیہ سے نہیں کیا سکتا بل کہ یہ صرف نبوت کی آنکھ سے دیکھے جاسکتے ہیں اور ان لوگوں نے تو ایسے خواص کا اعتراف کیا ہے جو ان سے بھی زیادہ تعجب خیز ہیں۔ اور ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

منجملہ ان کے ایک عجیب اور مجرب خاصیت اس شکل (نقش پندرہ) کی ہے جو حاملہ کی تختی ولادت کے وقت دو ایسے کپڑوں کے ٹکڑوں پر بنائی جاتی ہے جن کو پانی نہ لگا ہو اور ان دونوں کو اس کے دونوں پاؤں کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے اور حاملہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہے تو فوری

ولادت ہو جاتی ہے۔

اور ان لوگوں نے اس کے امکان کا اقرار بھی کرلیا ہے اور عجیب خواص کے سلسلے میں اس کو ذکر کیا ہے یہ شکل اس کی قسم کی ہے۔(۱)

کہ اس میں نو خانے ہوتے ہیں اور ہر خانے میں ایک مخصوص ہندسہ لکھا جاتا ہے اور ان سب کا مجموعہ طول وعرض آڑے ترچھے میں پندرہ ہوتا ہے۔

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ جو لوگ اس کی تصدیق کرتے ہیں ان کی عقل میں اس بات کی سچائی کیوں نہیں آتی کہ فجر کی نماز میں دو رکعتوں اور ظہر میں چار رکعتوں اور مغرب میں تین رکعتوں کا مقرر کرنا ان خواص کی بنا پر ہے جو حکمت کی نظر سے معلوم نہیں ہوتیں ان خواص کا سبب ان اوقات کا مختلف ہونا ہے جن کا ادراک نورِ نبوت سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ اور تعجب تو اس پر ہے کہ اگر اس عبارت کو منجمین کی عبارت میں پیش کیا جائے تو وہ ان اوقات کے اختلاف کا اعتراف کرلیں اور اس کے لئے دلائل ترتیب دیں۔

پس ہم کہیں گے کہ کیا حکم طالع کے لحاظ سے مختلف نہیں ہوتے جب کہ آفتاب وسطِ آسمان میں ہو، یا مشرق میں ہو یا مغرب میں ہو۔ تو وہ جواب دیں گے

ہاں کیوں نہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اسی پر اپنی تقویمات، اختلاف مطالع اور مدتوں اور عمروں کے تفاوت کی بنیاد رکھی، حال آں کہ زوال اور آفتاب کے وسطِ آسمان میں ہونے اور نہ مغرب اور آفتاب کے مغرب میں ہونے میں کوئی فرق ہے۔

پس اس تصدیق کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس کو نجومی کی عبارت میں سنا ہے جس کا کذب سینکڑوں بار آزمایا ہوا ہے، اور برابر اس کو سچ سمجھے گا۔

یہاں تک کہ اگر نجومی کہے کہ جب آفتاب وسطِ آسمان میں ہو اور اس کی طرف فلاں ستارے متوجہ ہوں اور تو اس وقت نیا کپڑا پہنے تو تو اسی کپڑے میں قتل کیا جائے گا۔

پس وہ اس وقت میں کپڑے نہیں پہنے گا، حال آں کہ سخت سردی برداشت کر رہا ہوگا۔

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ جن لوگوں کی عقلیں ان عجیب باتوں کو قبول کرتی ہیں، اور وہ اس

۱۔ مذکورہ بالا تینوں شکلیں اس نسخہ میں موجود نہ تھیں کندیاں والے نسخے سے نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ شکلیں ''المنقذ من الضلال'' میں بھی مذکور ہیں مگر تھوڑے فرق کے ساتھ ہیں۔ جیسا کہ عربی متن میں مذکور ہیں۔

کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ، یہ ایسے خواص ہیں جن کا علم بعض انبیاءؑ کا معجزہ ہے تو پھر اس قسم کی باتوں کا انکار کس طرح کر سکتے ہیں جو نبی صادق سے سنی ہیں۔

اور ان کی تائید معجزات کے ذریعے کی گئی ہے، اور ان کا کذب کبھی معلوم نہیں ہوا۔ اور رکعات کی تعداد میں، رمی جمار میں، ارکان حج کی تعداد اور دیگر شرعی تعبدات میں ان خواص کا امکان ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا۔ حال آں کہ ہم ان میں اور دواؤں اور نجوم کے خواص میں کوئی فرق نہیں پاتے۔

پس اگر وہ کہے کہ میں نے نجوم کا اور کچھ طب کا تجربہ کیا تو ان کا بعض حصہ صحیح پایا۔ اس لئے میرے دل میں اس کی تصدیق جاگزیں ہوگئی اور میرے دل سے اس کا مستبعد ہونا اور اس کی نفرت جاتی رہی لیکن یہ (احکام شرع) ایسے امور ہیں جن کا میں نے تجربہ نہیں کیا، تو میں اس کے وجود اور تحقیق کو کس طرح جان سکتا ہوں، اگر چہ اس کے امکان کا اقرار کرلوں۔

پس میں کہوں گا کہ تم صرف ان امور پر اکتفا نہیں کرتے جن کا تم نے تجربہ کیا ہے، بل کہ تم نے تجربہ کاروں کی خبریں سنی ہیں اور اس میں ان کی تقلید کی ہے۔ پس تم اولیاءؒ کے اقوال سنو جنہوں نے اس کا تجربہ کیا ہے، اور شریعت کے تمام احکام میں جو کہ وارد ہوئے ہیں انہوں نے حق کا مشاہدہ کیا ہے، یا ان کا راستہ اختیار کرو تو تم بعض مشاہدوں کا ادراک کرو گے۔

مزید برآں میں کہوں گا کہ اگر چہ تم نے تجربہ نہیں کیا لیکن تمہاری عقل تصدیق و اتباع کے وجوب کا قطعاً تقاضا کرتی ہے۔ کیوں کہ اگر ہم فرض کریں کہ ایک شخص عاقل بالغ ہے لیکن مرض کا تجربہ نہیں کیا ہے وہ بیمار پڑ جائے، اور اس کا باپ بھی ہے جو کہ مشفق ہو اور طب میں ماہر ہو، اور جب سے اس شخص نے ہوش سنبھالا ہے اسی وقت سے باپ سے یہ دعویٰ سنتا آیا ہے کہ وہ طب کا علم رکھتا ہے۔ اس کا باپ اس کے لئے کوئی دوا تجویز کرے اور کہے کہ یہ تمہارے مرض کے لئے مفید ہے اور تمہاری بیماری کو شفا بخشنے والی ہے تو اس کو عقل جس چیز کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ کہ اس دوا کو استعمال کرے اگر چہ وہ تلخ ہو اور ذوق کو ناگوار ہو۔ اور اگر وہ اس کی تکذیب کرے اور کہے کہ اس دوا کی مناسبت میری عقل میں نہیں آتی کہ اس سے شفا حاصل ہوگی۔ اور نہ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے تو تم اس کو احمق ہی سمجھو گے۔ پس اگر تم یہ کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور اس طب سے آپ کی واقفیت مجھے کس طرح معلوم ہو سکتی ہے تو میں جواب دوں گا کہ تم نے اپنے باپ کی شفقت

کس طرح معلوم کی یہ کوئی امر محسوس نہیں ہے۔ بل کہ تم کو اس کے قرائنِ احوال اور مصادر و موارد میں شواہدِ اعمال کے ذریعے تمہیں یقینی طور پر اس کا علم حاصل ہوا ہے جس میں تم کو شبہ نہیں ہوتا اور جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں اور ان اخبار میں غور کیا جو آپ سے منقول ہیں، اور ان میں آپؐ نے لوگوں کے حق میں مختلف قسم کی رفق و نرمی کے ذریعے تہذیب اخلاق اور بچھڑے ہوؤں کی اصلاح کی طرف خلق کی رہنمائی کا اہتمام کیا ہے، تو اس کو لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہوگا کہ امت پر آپ کی شفقت اس شفقت سے زیادہ ہے جو باپ کو بیٹے پر ہوتی ہے۔

اور اگر ان عجیب افعال پر غور کریں جو آپ ﷺ سے ظاہر ہوئے اور غیب کے عجائب پر غور کرے جن کے متعلق قرآن مجید میں آپ ﷺ کی زبان کے ذریعے خبر دی گئی، اور ان خبروں پر غور کریں جو آخری زمانے کے متعلق دی گئی ہیں اور جس طرح آپ ﷺ نے ذکر کیا اسی طرح ان کے وقوع پر غور کریں تو اسے لازمی طور پر اس کا علم حاصل ہوگا کہ آپ ﷺ اس درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں جو عقل سے ماوراء ہے، اور اس میں وہ نظر کھل جاتی ہے جس سے غیب اور وہ خواص اور امور منکشف ہو جاتے ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی اور نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صدق کے علمِ ضروری کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے پس تم تجربہ کرو اور قرآن کریم میں غور کرو۔ اور اخبار کا مطالعہ کرو تو تم کو ظاہری طور پر معلوم ہو جائے گا۔

امام غزالیؒ نے اس کو اسی طرح بیان کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر تم کسی شخص معین کے متعلق شک ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں تو تمہیں اس کا یقین صرف اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ اس کے احوال کا علم یا تو مشاہدے کے ذریعے یا تواتر کے ذریعے یا ایک دوسرے سے سنو۔ کیوں کہ جب تم نے طب اور فقہ کو جان لیا تو تمہارے لئے ممکن ہے کہ تم فقہاء اور اطباء کو بھی ان کے احوال کا مشاہدہ کر کے اور ان کے اقوال سن کر معلوم کر سکتے ہو اگر چہ تم نے ان کو نہ دیکھا ہو۔

چناں چہ امام شافعیؒ کے فقیہ ہونے اور جالینوس کے طبیب ہونے کی معرفت سے تم عاجز نہیں رہو گے، اور یہ معرفت حقیقی ہوگی تقلید کی بنا پر نہ ہوگی بل کہ اگر تم کچھ طب اور فقہ پڑھو گے اور ان کی کتابوں اور تصنیفات کا مطالعہ کرو گے تو تم کو ان دونوں کی حالتوں کا علم ضروری حاصل ہوگا۔ اسی طرح جب تم نے نبوت کی معنیٰ سمجھ لئے تو قرآن واخبار پر بہت زیادہ غور کرو۔

اس وقت تم کو اس کا علمِ ضروری حاصل ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے اعلیٰ

درجہ پر فائز ہیں۔ اور اس کی تائید اس کے تجربہ سے بھی ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے عبادات اور تصفیۂ قلب میں ان عبادات کی تاثیر کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔

آپ ﷺ اپنے اس قول میں کس قدر صادق ہیں کہ ''جو شخص اس چیز پر عمل کرے جو اس کو معلوم ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کے علم کا وارث بنا دیتے ہیں جس کو وہ نہیں جانتا''۔

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کس قدر سچا ہے کہ

جس نے کسی ظالم کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ اس ظالم کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کس قدر صحیح ہے کہ

جس نے صبح کی اس حال میں کہ اس کو ایک ہی فکر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی فکروں سے کفایت کرتا ہے۔

(یہ سب احادیث شریفہ ہیں)

پس جب کہ تم اس کا ہزار دو ہزار (بل کہ) کئی ہزار بار تجربہ کرو تو تم کو علم ضروری اس طرح حاصل ہوگا کہ اس میں کوئی شک نہ ہوگا۔

چناں چہ اس طریقے سے نبوت کا یقین طلب کرو۔ اور یہ ایمان قوی علمی ہے۔ باقی رہا ذوقی مثلاً مشاہدہ تو یہ صوفیہ کے اس طریقہ ہی میں پایا جاتا ہے۔

اثبات النبوۃ کی صورتیں

علماء نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں کئی دلیلیں بیان کی ہیں:

پہلی دلیل جو جمہور علماء کے نزدیک معتمد ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپؐ کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہوا پہلی بات یعنی دعوائے نبوت، تو یہ متواتر ہے ایسا متواتر کہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کے قائم مقام ہے۔ چناں چہ اس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ اور دوسری بات یعنی ظہورِ معجزہ، تو آپ کا معجزہ قرآن وغیرہ ہے۔

قرآن اس وجہ سے معجزہ ہے کہ آپؐ نے اس کی تحدی کی اور کسی نے معارضہ نہیں کیا، اس لئے معجزہ ہے۔ اور جہاں تک تحدی کا تعلق ہے تو یہ بھی متواتر ہے کہ اس میں کوئی شبہ کی گنجائش

نہیں۔اور قرآن کریم میں تحدی کی بہت سے آیات ہیں۔

((یہاں آیات قرآن کریم ہیں))

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ وہ اسی جیسی بات لے آئیں، یا مثلاً یہ قول کہ دس سورتیں اسی جیسی بنالاؤ، یا اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ''ایک سورۃ اس جیسی لے آؤ''۔

باقی رہا یہ دعویٰ کہ کسی نے معارضہ نہیں کیا تو اس کی دلیل یہ ہے کہ جب قرآن نے تحدی کی اور بڑے بڑے بلغاء وفصحائے عرب سے اس جیسی سورت لانے کو کہا تو باوجودیکہ ان لوگوں کی تعداد بطحاء کے سنگ ریزوں سے زیادہ تھی، اور اس چیز کی اشاعت کے سب سے زیادہ حریص تھے جو اس کے دعوے کو باطل کردے اور غایت عصبیت وحمیتِ جاہلیہ کے لحاظ سے مشہور تھے، مباہات اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خاطر ایک دوسرے کو ہلاک کردینے میں معروف تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس جیسی ایک سورت بھی پیش کرنے سے قاصر رہے،

یہاں تک کہ حروف کے ذریعے معارضہ کے بدلے انہوں نے تیغ آزمائی کو ترجیح دی۔

پس اگر وہ معارضہ پر قادر ہوتے تو یقیناً معارضہ کرتے۔اور اگر معارضہ کرتے تو ہم تک تواتر سے پہنچتا۔کیوں کہ اس کے نقل کرنے کے دواعی بہت زیادہ تھے۔(اور اسی طرح تواتر کے ساتھ پہنچتا جس طرح خطیب کا منبر پر قتل کیا جانا۔اور ان تمام چیزوں کا علم دیگر عادیات کی طرح قطعی ہے باقی رہی یہ بات کہ جس چیز کی تحدی کی جائے اور اس کا معارضہ نہ کیا جائے تو وہ معجزہ ہے۔

اس کی دلیل معجزہ کی حقیقت اور اس کے شرائط کے بیان میں گزر چکی ہے۔اور اس پر چند اعتراضات ہیں۔اول تو یہ کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ تحدی ان لوگوں کو نہ پہنچی ہو جو معارضہ پر قادر ہوں، یا شاید معارضہ کو مدعی کی ہم نوائی کرتے ہوئے اس لئے ترک کردیا ہو کہ اس کی دولت سے وافر حصہ حاصل کریں۔دوسرے یہ کہ شاید ان لوگوں نے پہلے اس کو معمولی چیز سمجھا ہو اور گمان کیا ہو کہ آپ ﷺ کی دعوت پوری ہونے والی نہیں، اور آخر میں آپ ﷺ کی شدت شوکت اور متبعین کی کثرت کی وجہ سے آپ سے خائف ہوگئے ہوں، یا معاشی ضروریات کی تحصیل نے معارضہ سے روک دیا ہو۔تیسرے یہ کہ ممکن ہے کہ معارضہ کیا گیا ہو لیکن کسی مانع کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوا، یا ظاہر ہوا لیکن آپ ﷺ کے اصحابؓ اور متبعین نے اپنے غلبہ کے وقت اس کو چھپادیا ہو،

اور اس کے آثار مٹا دیئے ہوں یہاں تک کہ بالکل محو ہو گیا ہو۔

اس کا اجمالی جواب تو وہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ تجویزات عقلیہ علم عادی کے منافی نہیں ہیں، جیسا کہ محسوسات میں ہوتا ہے اور پہلے اعراض یعنی یہ کہ شاید تحدی ان لوگوں کو نہ پہنچی ہو جو معارضہ پر قادر ہوں تو اس کا تفصیلی جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ مدعی نبوت اگر کوئی ایسی چیز لے آئے جو اس کے دعوے کی تصدیق کرے اور وہ اس کی تحدی بھی کرے اور لوگ اس کے معارضہ سے عاجز ہوں تو علمِ ضروری عادی حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ اور اس میں قدح کرنا کھُلم کھلا سفسطہ ہے۔

اور دوسرا اعتراض یہ کہ شاید پہلے ان لوگوں نے اس چیز کو معمولی سمجھا ہو، پھر آخر میں خائف ہو گئے ہوں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت عادیہ اور وجدانیہ کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس شخص کے معارضہ کی طرف سبقت کریں جو کسی ایسے امر اہم میں منفرد ہونے کا مدعی ہو جس سے اپنے معاصرین پر اسے برتری حاصل ہو۔ اور وہ لوگوں سے پیروی کرنے کو کہے اور لوگوں کی جان و مال کے متعلق حکم جاری کرے۔ اور یہ بھی بالبداہت معلوم ہے کہ اس قسم کے امور میں کوئی شخص اس طرح اعتراض نہیں کر سکتا کہ معارضہ پیش کرنے کی طرف بالکل متوجہ ہی نہ ہو، اور اس صورت میں اس کی دلالت صرف قدرت کی بناء پر ظاہر ہے،

کیوں کہ نفوس جب کہ اس پر فطری طور پر پیدا کئے گئے ہوں پھر ان کا اس سے روک دینا ایک ایسا امر ہے جو کہ خارق عادت ہے۔ اور یہ مدعی کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ چیز جو اس نے پیش کی ہے وہ دوسروں کی قدرت میں ہو۔ اور تیسرا اعتراض یعنی یہ کہ شاید اس کا معارضہ کیا گیا ہو، لیکن کسی مانع کی وجہ سے ظاہر نہ ہوا ہو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ عادت کی بنا پر معلوم ہے کہ قدرت تسلیم کرتے ہوئے معارضہ ضروری ہے۔ اسی طرح عادت کی بنا پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اظہار ضروری ہے کیوں کہ اسی سے مقصود پورا ہوتا ہے، اور بعض اوقات اور اماکن میں مانع کا احتمال تمام اوقات اور اماکن میں اس کے احتمال کو ضروری قرار نہیں دیتا ہے بل کہ ضرورتِ عادیہ کی بنا پر اس کا انتفاء معلوم ہے۔ پس اگر معارضہ کیا گیا ہو تو عادۃً اس کا مخفی رکھنا محال ہے کہ نہ مدعی کے اصحاب کی طرف سے ان کے غالب آنے کے وقت اخفاء ہو سکتا ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی اخفاء کر سکتا ہے۔ پس تمام احتمالات

باطل ہو گئے اور دلالتِ قطعیہ ثابت ہو گئی۔

اعجاز قرآن کی صورتیں

اور تم جان لو کہ متکلمین نے اعجاز قرآن کی وجہ میں اختلاف کیا ہے چناں چہ کہا گیا ہے کہ وہ نظمِ غریب اور اسلوب عجیب پر مشتمل ہے جو کہ عرب کے نظم ونثر کے مخالف ہے۔ جو کہ سورتوں اور قصص کی ابتداء میں اور ان کے آخر میں ہیں اور آیات کے وہ فواصل جو عرب کے کلام میں بمنزلۂ سجع کے ہیں کہ یہ چیزیں قرآن میں اس طور پر واقع ہوئی ہیں کہ ان کے کلام میں اس کی مثال نہیں ملتی،

اور وہ اس سے عاجز تھے، بعض معتزلہ کا یہی خیال ہے اور اہل عربیہ اور جاحظ معتزلی کہتے ہیں کہ قرآن کا بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہونا ان تراکیب کی بنا پر ہے جن کی مثال ان کی تراکیب میں نہیں ملتی۔

اور ان کی بلاغت کے درجات اس سے قاصر ہیں۔

چناں چہ جو شخص عربیت اور فنونِ بلاغت سے واقف ہوگا وہ اعجاز قرآن کو جان لے گا۔

اور قاضی باقلانی کہتے ہیں کہ وجہ اعجاز دونوں امور ہیں یعنی نظمِ غریب اور بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر اس کا فائز ہونا۔

اور بعض کے نزدیک غیب کے متعلق خبر دینا وجہ اعجاز ہے جیسے

وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ۔

اور وہ ان لوگوں کے غلبہ کے بعد چند سالوں میں غالب آجائیں گے۔

اس میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ رومی ایرانیوں پر تین سے لے کر نو سال تک کی مدت میں غالب آجائیں گے، اور ایسا ہی واقع بھی ہو جس طرح کہ خبر دی گئی تھی۔

بعض کے نزدیک اعجاز کی وجہ اس میں اختلاف اور تناقض کا نہ ہونا ہے باوجودیکہ اس میں طول وامتداد ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ (۱) ''اگر یہ غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے۔ بعض کے نزدیک اس کا اعجاز صرفہ کی بناء پر ہے

۱۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا○

یعنی عرب بعثت سے پہلے قرآن کے مثل کلام پیش کرنے پر قادر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے معارضہ سے روک دیا۔

اس روکنے کی کیفیت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ استاذ (ابواسحٰق) جو ہم (اہلِ سنت و الجماعت) میں سے ہیں اور نظام معتزلی کہتے ہیں کہ ان کو ان کی قدرت کے باوجود اس سے روک دیا۔

اور یہ اس طور پر کہ ان کے دواعی کو معارضہ سے پھیر دیا، باوجودیکہ وہ فطری طور پر اس پر پیدا کئے گئے تھے، خصوصاً اس حال میں کہ ان کے حق میں اسبابِ داعیہ بہت زیادہ تھے مثلاً یہ جتلایا جانا کہ تم اس سے عاجز ہو، سرداری سے نیچے اتارا جانا اور تابعداری کی تکلیف میں مبتلا کیا جانا۔ اور مرتضیٰ نے جو شیعہ میں سے ہے کہا کہ بل کہ ان سے وہ علوم سلب کر لئے جن کی ضرورت معارضہ میں ہوتی ہے۔

قرآن کے اعجاز میں قدح کرنے والوں کے کچھ شبہات اور اعتراضات

اول یہ کہ وجہ اعجاز کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس شخص کے لئے ظاہر ہو جو اس سے استدلال کرتا ہے اور اس میں تمہارا اختلاف اس کے مخفی ہونے کی دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختلاف اور خفا اگر چہ کسی ایک وجہ میں ہو لیکن اس میں اختلاف اور خفا نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا مجموعہ جس بلاغت اور نظمِ غریب اور غیب کی خبروں پر اور علم وعمل کے لحاظ سے حکمتِ بالغہ پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ جو وجوہ اعجاز بیان کئے گئے ہیں ان سب کے لحاظ سے معجز ہے۔ اور اختلاف اگر کسی وجہ میں ہوا ہے تو وہ نظروں کے اختلاف کا نتیجہ ہے، یا ان صاحبانِ نظر کے مبلغِ علم کے باعث ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ اگر وجوہِ مذکورہ میں سے کسی ایک خاص وجہ کے اعتبار سے معجزہ نہ ہو تو یہ لازم آئے کہ ان کے مجموعے کی وجہ سے بھی معجزہ نہ ہو۔ اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک خاص وجہ کی بناء پر معجزہ نہ ہو اور بہت سے بلیغ ایسے ہیں جو نظم یا نثر پر قادر ہیں اور دوسرے پر قادر نہیں ہیں، اور ان میں سے ایک پر قادر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب پر قادر ہو، اور نہ یہ بات ہے کہ ہر وہ چیز جو ہر ایک کے لئے ثابت ہو وہ کُل کے لئے بھی اسی حیثیت سے ثابت ہو کہ وہ کل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جواب اس بات کو مقتضی ہے کہ صرف مجموعۂ قرآن معجز

ہو، اس کی کسی چھوٹی سورت کی مقدار معجز نہ ہو۔ یہ خلافِ واقع ہے۔ اس لئے کہ ایک چھوٹی سے سورت کی مقدار بھی معجز ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس اگر تم کہو کہ جواب دینے والے کی مراد یہ ہے کہ مجموعۂ قرآن ان وجوہِ اعجاز کے مجموعے کی وجہ سے معجز ہے جو کہ بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس کی ہر سورت ان وجوہ میں سے کسی ایک غیر متعین وجہ کی بنا پر معجز ہے، تو میں کہوں گا کہ اس صورت میں وہ دفع نہیں ہو سکتا جو کہ معترض نے کہا ہے کہ وجہ اعجاز کے لئے ضروری ہے کہ بیّن اور ظاہر ہو۔ اور اس تقدیر پر اعجاز کی وجہ ظاہر نہیں رہتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ خدا کی پناہ کہ اس کے بیّن اور متعین ہونے کو ممنوع قرار دیا جائے اور یہ نظرِ انصاف غور کرنے والے پر یہ پوشیدہ نہیں کہ اس کا ممنوع قرار دینا صریح مکابرہ ہے۔ پس سمجھو۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صحابہؓ نے قرآن کریم کے بعض حصے میں اختلاف کیا یہاں تک کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فاتحہ اور معوذتین قرآن میں سے نہیں ہیں، باوجودیکہ یہ مشہور سورتوں میں سے ہیں، اگر اس کی بلاغت حد اعجاز تک پہنچی ہوئی ہوتی تو یہ غیر قرآن سے ممتاز ہوتا اور وہ اختلاف نہ کرتے۔ تو جواب یہ ہے کہ صحابہ کا اختلاف قرآن کی ان بعض سورتوں میں ہے جو بذریعہ آحاد مروی ہے اور آحاد ظن کا فائدہ دیتے ہیں۔ لیکن مجموعۂ قرآن تواتر کے ذریعہ منقول ہے جو کہ یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ پس یہ آحاد بالکل نا قابلِ التفات ہیں۔ مزید برآں ہم یہ کہیں گے کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم پر اس کے نازل ہونے کے متعلق اختلاف نہیں کیا۔ اور نہ اس کے حد اعجاز تک پہنچے ہوئے ہونے میں ان کا اختلاف ہے، بل کہ محض اس کے قرآن میں سے ہونے کے متعلق اختلاف ہے اور یہ چیز ہمارے مقصد میں مضر نہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جمع قرآن کے وقت جب کوئی ایسا شخص جو عدالت میں ان کے نزدیک مشہور نہ تھا کوئی آیت لے کر آتا تو اس کو بغیر ایک گواہ یا قسم کے مصحف میں داخل نہ کرتے۔ اگر اس کی بلاغت حد اعجاز تک پہنچی ہوئی ہوتی تو اس کو اس کی وجہ سے جان لیتے اور مصحف میں داخل کرنے کے لئے عدالت اور گواہ یا قسم کی ضرورت نہ ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ ان کا اختلاف قرآن میں آیت کے مقام اور آیت کی تقدیم و تاخیر کے متعلق ہے۔ ان کے قرآن میں سے ہونے کے متعلق اختلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قراءت میں مداومت کرتے

تھے۔ پس جس کو ایک شخص لے کر آیا تو اس کا قرآن میں سے ہونا یقینی تھا اور گواہ یا قسم کا مطالبہ محض ترتیب کی خاطر تھا۔

پس کوئی اشکال نہیں۔ نیز ایک یا دو آیتوں کا معجز نہ ہونا ہمارے لئے مضر نہیں۔ کیوں کہ معجز لازمی ہے کہ ایک سب سے چھوٹی سورت کے مقدار ہو اور سورت کم سے کم تین آیات کی ہوتی ہے۔

اور چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ہر صناعت کی ایک معین حد ہے کہ اس حد پر ٹھہر جاتی ہے اس سے تجاوز نہیں کرتی، اور ہر زمانے میں کسی ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو تمام ابنائے زمانہ پر فائق ہو تو شاید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمعصروں میں سے سب سے زیادہ فصیح ہوں،

اور انہوں نے ایسا کلام پیش کیا جس سے آپ ﷺ کے معاصر عاجز رہے۔ اگر یہ معجزہ ہے تو ہر وہ شخص جو کوئی ایسی چیز پیش کرے جس کے ذریعے معاصرین پر صناعت میں فائق ہو جائے تو یہ معجز ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ باطل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معجزہ ہر زمانے میں اسی جنس سے ظاہر ہوتا ہے جو اس زمانے کے لوگوں پر غالب رہتا ہے۔ اور وہ لوگ اس زمانے میں انتہائی بلند درجے تک پہنچ کر اس معتاد حد پر رک جاتے ہیں جہاں تک کسی بشر کے لئے پہنچنا ممکن ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ لوگ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو کہ اس صناعت کی حد سے خارج ہے تو وہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے۔

اور اگر یہ حال نہ ہوتا تو قوم کے نزدیک نبی کا معجزہ متحقق نہ ہوتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا رواج تھا اور جادوگروں کو معلوم تھا کہ سحر کی حد تخیل اور اس چیز کا وہم پیدا کرنا ہے جس کا حقیقت میں کوئی ثبوت نہیں۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ عصا سانپ ہو گیا اور ان کے سحر کو جو وہ تراشتے تھے نگلنے لگا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ یہ سحر سے باہر ہے اور انسانی طاقت سے خارج ہے،

چناں چہ وہ لوگ حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے، لیکن فرعون نے اس ہنر میں عاجز ہونے کے باعث یہ گمان کیا کہ ان کا بڑا ان کو تعلیم دیتا ہے۔

یہی حال طب کا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں میں اس کا رواج غالب تھا اور وہ لوگ اس میں انتہا کو پہنچ گئے تھے،

تو جولوگ اس باب میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے، ان لوگوں نے جان لیا کہ مردوں کا زندہ کرنا، مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست کردینا فن طب کی حد سے خارج ہے بل کہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔

اور بلاغت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلند درجے پر پہنچی ہوئی تھی اور اس کے باعث وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے سات قصیدے کعبہ کے دروازے پر لٹکا رکھے تھے تاکہ اس کے معارضہ کے لئے تحدی کریں اور سیر کی کتابیں اس کی شہادت دیتی ہیں۔

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیز لیکر آئے جس کے مثل پیش کرنے سے تمام بلغاء عاجز رہ گئے، باوجودیکہ کثرت سے جھگڑا اور اختلاف انہوں نے کیا، اور آپ کی نبوت کا انکار کیا، یہاں تک کہ ان میں سے بعض کفر پر مرے اور بعض آپ کی نبوت کے واضح ہونے کے باعث مسلمان ہو گئے،

اور بعض اسلام سے نفرت کے باوجود ذلت اور پستی کو اپنے لئے لازم کرتے ہوئے مسلمان ہوئے جیسے کہ منافقین۔ اور بعض وہ تھے جو ایسے رکیک معارضے میں مشغول ہوئے کہ صاحبانِ عقل کو اس پر ہنسی آتی ہے۔ مثلاً اس کلام کے ذریعے معارضہ کیا:

والزارعاتِ زرعاً. فالحاصداتِ حصداً و الطاحنات طحناً و
الطابخات طبخاً فالآ کلاتِ اکلاً.

اور ان میں بعض وہ تھے جنہوں نے جنگ وخونریزی کو اختیار کیا اور جان و مال اور اہل و عیال کو ہلاکت اور تباہی کے لئے پیش کیا۔

پس معلوم ہوا کہ یہ یقیناً اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے۔

اور پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اس میں لفظ اور معنی کے لحاظ سے اختلاف ہے، حال آں کہ اس سے اختلاف کی نفی اس طرح کی گئی ہے کہ اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے آیت ۸۲ لفظی اختلاف کی مثال جیسے، کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْش القارعہ ۱۰۱ آیت ۵ کے بجائے کَالصُّوْفِ الْمَنْفُوْش ــ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ جمعہ ۶۲ آیت ۹ کے بجائے

فَ مْضُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ۔ فَھِیَ الْحِجَارَۃِ سورۃ البقرہ ۲ آیت ۷۴ کے بدلے فَکَانَتْ کَالْحِجَارَۃِ اور ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ ۔ بقرہ آیت ۶۱ کے بدلے ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الْمَسْکَنَۃُ وَالذِّلَّۃُ ہے۔ اور معنوی اختلاف کی مثال: رَبَّنَا بَاعِدْبَیْنَ اَسْفَارِنَا سبا ۳۴ آیت ۱۹ امر کے صیغے کے ساتھ اور رب کے ندا کے ساتھ ہے، اور رَبُّنَا بَعَّدَ صیغۂ ماضی اور رب کے رفع کے ساتھ پہلی صورت میں دعا اور دوسری صرت میں خبر ہے۔ دوسری مثال ھَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ مائدہ آیت ۱۱۲ صیغہ غائب اور با کے ضمہ کے ساتھ ہے اور ھَلْ تَسْتَطِیْعُ رَبَّكَ خطاب کے ساتھ ہے۔ پہلی صورت میں رب کے متعلق خبر دریافت کرنا ہے۔

اور دوسری صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حالت دریافت کرنا ہے۔

جواب یہ ہے کہ جو بذریعۂ احاد منقول ہے تو وہ مردود ہے اور جو بذریعہ تواتر منقول ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ضمن میں داخل ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کافی شافی ہے۔ پس لفظی و معنوی اختلاف اس کے اعجاز میں مخل نہیں۔

چھٹا اعتراض یہ ہے کہ اس میں لحن اور بے فائدہ تکرار ہے۔ لحن کی مثال اِنْ ھٰذٰانِ لَسَاحِرَانِ ہے اور لفظی تکرار کی مثال وہ جو سورۂ رحمٰن میں ہے اور معنوی تکرار کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے۔

الف: پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اِنْ ھٰذٰانِ لَسَاحِرَانِ طٰہٰ آیت ۶۲ کے متعلق کہا گیا ہے کہ کاتبوں کی غلطی ہے، کیوں کہ ابوعمرو نے اِنْ ھٰذَیْنِ پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ تثنیہ کی حالت میں اور اسمائے ستہ میں الف کا باقی رکھنا قبائل عرب کی ایک لغت ہے مثلاً یہ قول: ص ۴۹

اِنَّ اَبَاھَا وَاَبَا اَبَاھَا

لَقَدْبَلَغَافِی الْمَجْدِغَایَتَاھَا

اور اہل مدینہ اور اہل عراق نے ان مقامات میں اسی لغت پر پڑھا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ صرف ھٰذَا کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس میں نون زیادہ کیا گیا ہے اور الف کو اپنی حالت پر باقی رکھتے ہوئے اس میں تبدیلی نہیں کی جیسا کہ اَلَّذِیْنَ میں کیا گیا ہے کہ اس میں اَلَّذِی پر صرف نون کا

اضافہ کیا گیا اور یا کو تینوں حالتوں میں اپنی حالت پر باقی رکھا گیا، اور یہ اس لئے کہ لفظ ھٰذَا میں معرب اور مبنی کے تثنیہ کے درمیان اور لفظ اَلَّذِیْ میں معرب اور مبنی کے درمیان اختلاف کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں ضمیر شان مقدر ہے، اور اس صورت میں لام حیز مبتدا میں ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں اگر چہ قلیل ہو۔

ب: اور دوسرے اعتراض (یعنی تکرار لفظی و معنوی) کا جواب یہ ہے کہ تکرار کے فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے تحقیق معنی میں مبالغہ اور تقریر کی زیادتی ہوتی ہے دوسرے اس سے اس کا ظہور ہوتا ہے کہ ایک ہی معنی کو ایسی عبارتوں کے ذریعے ادا کرنے پر قدرت حاصل ہے جو ایجاز واطناب میں مختلف ہیں اور یہ بلاغت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

تیسرے یہ کہ ایک قصہ کبھی بہت سے امور پر مشتمل ہوتا ہے تو کبھی قصہ کے بیان کرنے کا مقصد صرف بعض امور کا بیان کرنا ہوتا ہے اور بعض امور اس کے ضمن میں تبعاً آجاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اور باقی دیگر معجزات مثلاً شق قمر، جمادات کا کلام کرنا۔

اور حرکت کر کے آپ کی طرف آنا، اور حیوانات کا کلام کرنا، تھوڑی خوراک سے بہت سے لوگوں کو آسودہ کر دینا، اور انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑنا،

اور غیب کی خبر دینا، اور اس قسم کے افعال بہت زیادہ ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں۔

تو یہ معجزات اگر چہ ان میں سے ہر ایک متواتر نہیں ہے لیکن ان کے درمیان قدر مشترک یعنی معجزہ کا ثبوت بلاشبہ متواتر ہے۔

جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت (کہ یہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے) اور یہ اثباتِ نبوت میں ہمارے لئے کافی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کی دلیلوں میں سے دوسری دلیل جس کو معتزلہ میں سے جاحظ نے اور ہم میں سے امام غزالی نے پسند کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کردہ کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے حالات اور دعوت کی حالت میں اور دعوت پوری ہونے کے بعد آپ ﷺ کے حالات اور آپ ﷺ کے عظیم اخلاق اور حکیمانہ احکام اور ایسی جگہ

پیش قدمی جہاں بڑے بڑے بہادر ہچکچاتے ہوں،

ان امور سے نبوت کے ثبوت پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہمات دین میں اور نہ مہمات دنیا میں کبھی جھوٹ نہیں بولے۔ اگر ایک بار بھی جھوٹ بولتے تو آپ ﷺ کے دشمن اس کے مشہور کرنے میں پوری کوشش کرتے۔ اور نہ آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے اور نہ نبوت کے بعد ہی کسی برے فعل پر اقدام کیا۔ اور آپ ﷺ انتہائی فصیح تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں۔ باوجودیکہ آپ اُمّی تھے اور آپ ﷺ نے رسالت کے پہنچانے میں طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی نبی کو اس قدر تکلیف نہیں دی گئی جس قدر مجھے دی گئی۔

اور اس پر عزیمت میں کوتاہی کے بغیر آپ ﷺ نے صبر کیا۔ اور جب آپ ﷺ دشمنوں پر غالب آ گئے اور لوگوں کی جانوں اور مالوں میں اپنا حکم نافذ کرنے کے لحاظ سے بلند مرتبہ پر پہنچ گئے تو اپنی پہلی حالت نہیں بدلی بل کہ ابتدائے عمر سے آخر عمر تک ایک ہی پسندیدہ طریقہ پر قائم رہے۔ اور اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول فَلاَ تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ فاطر ۳۵ آیت ۸ اور فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ کہف ۱۸ آیت ۶ کے ذریعے خطاب کیے گئے۔ اور بہت ہی زیادہ سخی تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ وَلاَ تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۲۹ کے ذریعے تنبیہ کیے گئے۔ اور دنیوی سامان کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ چناں چہ قریش نے آپ ﷺ کو مال بیوی اور سرداری پیش کی تاکہ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں لیکن آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور فقراء و مساکین کے ساتھ غایت درجہ تواضع کے ساتھ اور مال داروں اور ذی ثروت لوگوں کے ساتھ غایت درجہ ترفع کے ساتھ پیش آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے دشمنوں سے نہ بھاگے اگر چہ بہت زیادہ خوف کا مقام ہوتا۔ مثلاً اُحد اور احزاب کے دن۔ اور یہ آپ ﷺ کے دل کے قوی ہونے اور باطن کی قوت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت پر اعتماد نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے ذریعے اس کا وعدہ کیا تھا تو عادۃً یہ ممتنع ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال نہیں بدلا اگر چہ مختلف حالات پیش آئے۔

غرض کہ جو شخص ان امور کا اور ان جیسے دیگر امور کا تتبع کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ ان میں

سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ اگر چہ نبوت پر دلالت نہیں کرتے کیوں کہ کسی شخص کا دیگر اشخاص سے مزید فضل میں ممتاز ہونا اس کے نبی ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن ان کا مجموعہ یقیناً صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ان امور کا جمع ہونا آپ کے نبی ہونے کے عظیم دلائل میں سے ہے۔

ان دلیلوں میں سے تیسری دلیل جس کو امام رازیؒ نے اختیار کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کے درمیان دعویٰ کیا جن کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، اور نہ ان میں حکمت تھی بل کہ وہ حق سے اعراض کرنے والے تھے، اور یا تو بتوں کی عبادت پر مثلاً مشرکینِ عرب، یا دینِ تشبیہ اور صنعت تزویر، اور بے سروپا جھوٹی باتوں کے رائج کرنے پر مثلاً یہود، یا دو خداؤں کی عبادت اور محرم کے نکاح پر مثلاً مجوس، یا باپ بیٹے اور تثلیث کے قائل ہونے پر مائل تھے جیسے نصاریٰ۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں میں دعویٰ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن کتاب اور حکمت باہرہ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں تا کہ مکارمِ اخلاق کو پورا کروں، اور لوگوں کو عقائدِ حقہ کے ذریعہ ان کی قوتِ علمیہ میں، اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ ان کو قوتِ عملیہ میں کامل کرون، اور عالم کو ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ منور کروں۔ چناں چہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا اور اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وعدہ کیا تھا۔ چناں چہ وہ کھوٹے دین کمزور پڑ گئے اور فاسد کلام زائل ہو گئے، اور توحید کے آفتاب اور تنزیہ کے چاند اطرافِ عالم میں چمک اٹھے، اور نبوت کے یہی معنیٰ ہیں، کیوں کہ نبی وہی ہے جو نفوسِ بشریہ کی تکمیل کرتا ہے۔ اور دل کے ان امرض کا علاج کرتا ہے جو اکثر نفوس پر غالب ہوتے ہیں اس لئے کسی طبیب کا ہونا ضروری ہے جو ان کا علاج کرے۔ اور جب مریض دلوں کے علاج میں اور ان کی تاریکیوں کے دور کرنے میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دعوت کی تاثیر کامل اور پوری تھی تو آپ ﷺ کے نبی ہونے کا یقین ضروری ہو گیا کہ آپ ﷺ افضل الانبیاء والرسل ہیں۔

امام (رازیؒ) نے مطالب عالیہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ برہان ظاہر ہے کہ برہان لمّ میں سے ہے، کیوں کہ ہم نے نبوت کی حقیقت کے متعلق بحث کی ہے، اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ ماہیت کسی کو حاصل نہیں ہوئی جیسا کہ آپ ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوئی پس آپ ﷺ اپنے

ما سوا سے افضل ہیں۔

باقی رہا نبوت کا معجزہ کے ذریعے ثابت کرنا تو یہ برہان انّ ہے، اور یہ دلیل نبوت کے ثابت کرنے میں حکماء کے طریقے کے قریب ہے، اس لئے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ لوگ اپنے معاش و معاد میں ایک ایسے شخص کے محتاج ہیں جس کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی ہو۔ اور وہ ان لوگوں کے لئے ایسا قانون وضع کرے جو دونوں جہان میں ان کی سعادت کا ذریعہ ہو۔

یہ دوسرا مقالہ فلاسفہ کی مذمت میں اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعے سے جو ضرر حاصل ہوتا ہے اس کے بیان میں ہے۔

تمّت